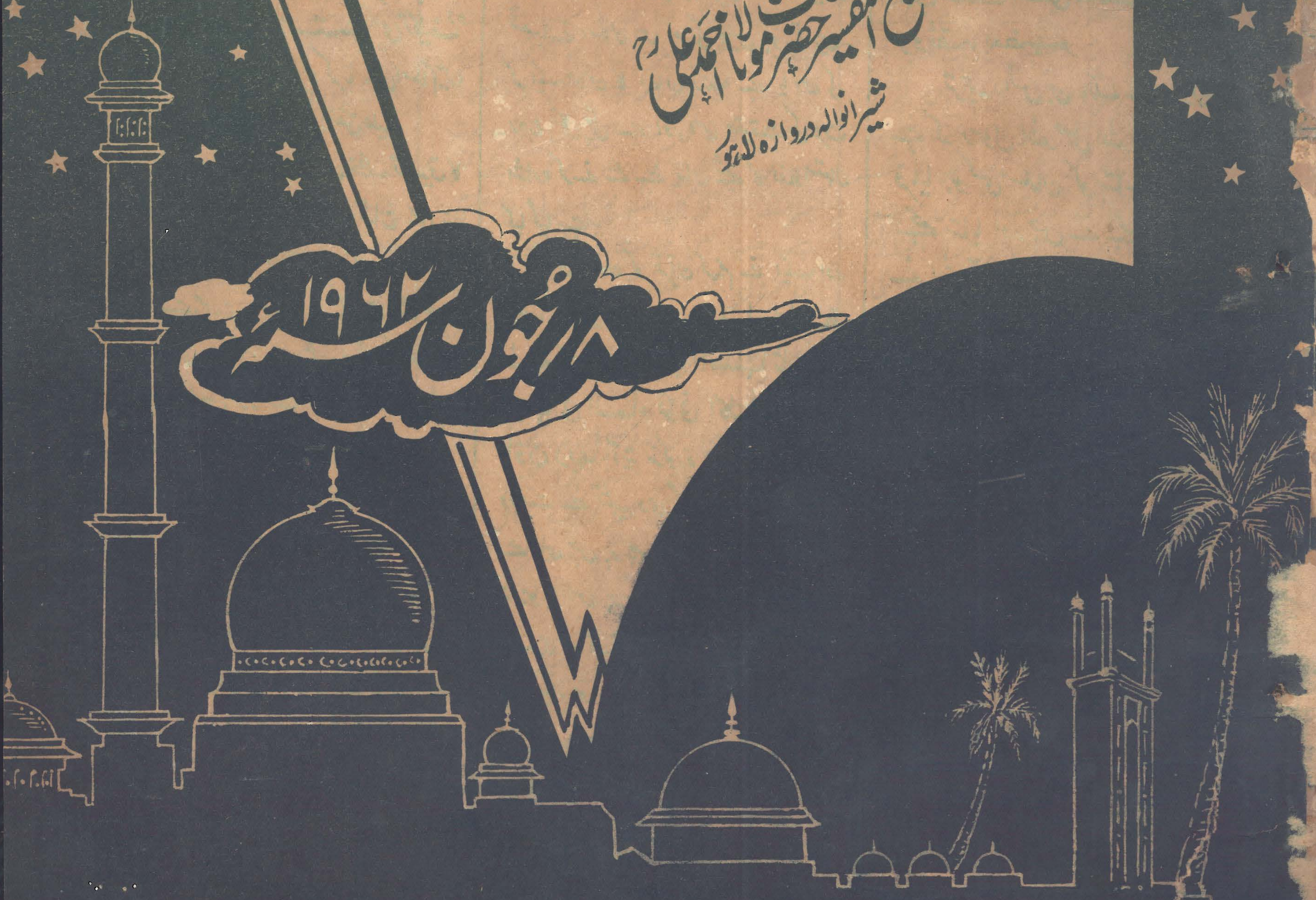
8/5

ہفت روزہ

خدام الدین
لاہور

بیادگار
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رح
شیرانوالہ دروازہ لاہور

۸ جون ۱۹۶۲ء



مرکز مطبوعات انجمن خدام الدین ● لاہور

ہدیہ ۲۵ پیسے

احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ اَوْ بِضْعٌ وَّسِتُّوْنَ شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَدْنَاهَا اِمَاطَةُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ وَالْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِیْمَانِ (متفق علیہ)

ترجمہ۔ ابوہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ایمان کی ستر یا ساٹھ سے کچھ زیادہ شاخیں ہیں (راوی کو صحیح عدد یاد نہیں رہا) سب سے افضل زبان سے کلمہ لا الٰہ الا اللہ کہنا (یعنی توحید الٰہی کا اقرار ہے) اور سب سے معمولی راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا اور شرم کرنا بھی اسلام میں ایک ضروری چیز ہے (متفق علیہ)

حاشیہ[1] دراصل ایمان صرف اس خشک تصدیق کا نام نہیں جس میں عمل صالح کی ایک شاخ بھی نہ پھوٹے بلکہ وہ اس تر و تازہ ایقان و اذعان کا نام ہے جس میں اعمال صالحہ کی بیشمار شاخیں سدا پھوٹتی رہیں، اس پر رنگ برنگ کی عبادات کے پھول کھلیں اور ایسے ایسے نافع اعمال کی بہار آئے کہ رہ گزر سے ایک کانٹے کا ہٹا دینا ان میں ایک ادنیٰ ترین عمل شمار ہو گویا انسان باہم ہمدردی اور غمخواری کا ایک ایسا پیکر بن جائے کہ اگر کسی کے پیر میں کانٹا بھی چبھے تو اس کی چبھن یہ اپنے قلب میں محسوس کرے۔ ایسا ایمان زندہ ایمان ہے لیکن جس ایمان میں عمل صالح کی ایک شاخ بھی نہ پھوٹے خدا کی مخلوق کے درد کا اس میں کوئی احساس نہ ہو اور باہم اُنس و محبت کی اس میں کوئی لہر نہ دوڑے وہ زندہ ایمان نہیں۔ مردہ ہے۔ قلبی تصدیق اور زبانی اقرار بلاشبہ ایمان کے سب سے بڑے رکن کہلاتے ہیں مگر یہ اسی وقت پر از حقیقت سمجھے جاسکتے ہیں۔ جب کہ اعمال صالحہ کی شہادت ان کے ساتھ موجود ہو اور اسلام کا مقدس عہد بھی اسی وقت پورا کیا جاسکتا ہے جب کہ جوارح انسانی نیکی کے لئے مضطرب نظر آئیں اگر ایسا نہیں تو یہ اس امر کی دلیل ہوگی کہ قلبی تصدیق گو حاصل ہے مگر وہ کھوکھلی ہے۔ اس میں حقیقت کی کوئی روح نہیں اور زبانی اقرار بھی گو موجود ہے مگر وہ بھی رسمی ہے۔ اس میں بھی صداقت کی کوئی بو نہیں۔ خلاصہ یہ کہ شعبہائے اسلامی اس امر کی دلیل ہوتے ہیں۔ کہ ایک مومن کا ایمان زندہ ہے یا اس کی روح نکل چکی ہے اور اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے یہاں شعبے کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

اسی مضمون کو قرآن کریم نے ایک اور بلیغ انداز میں ادا کیا ہے مثل کلمة طیبة کشجرة طیبة اصلها ثابت و فرعها فی السماء تؤتی اکلها کل حین باذن ربها۔ آیۃ مذکورہ میں کلمہ طیبہ کو ایک درخت سے تشبیہ دی گئی ہے مگر اس درخت سے نہیں جس پر پھول و پھل کی کوئی رونق نہ ہو یا اس پر بہار آئے تو سال میں صرف ایک ہی بار آئے بلکہ اس درخت سے جو سدا بہار ہو اور اس پر کبھی خزاں نہ آئے وہ دوسرے درختوں کی طرح سال میں ایک ہی بار پھل نہ لائے بلکہ موسم کی قید سے آزاد ہو کر پھولوں اور پھلوں سے ہمیشہ لدا رہے۔ اب محدثین کو اختیار ہے کہ وہ اس مجموعہ کو ایمان کہیں یا اصل ایمان تصدیق کو قرار دیں اور اعمال صالحہ کو اس کے ثمرات شمار کریں۔

اس حدیث کی روشنی میں ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ شب و روز اپنے ایمان کا جائزہ لیا کرے اور یہ اندازہ لگایا کرے کہ اس کا ایمان اعمال صالحہ کا کتنا تقاضا کر رہا ہے اس میں نیکی کی کتنی شاخیں پھوٹ چکی ہیں۔ اور کون سی شاخ ایسی ہے جس کا پھوٹنا ابھی باقی ہے محدثین نے اس حدیث کو اتنی اہمیت دی ہے کہ شعبہائے اسلامی کو جمع کرنے کے لئے مستقل مستقل تصنیفیں تالیف کی ہیں۔

(۲) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰذٰی مُسْلِمًا فَقَدْ اٰذَی اللّٰهَ
اَخرجه الطبرانی فی الاوسط۔ رمز السیوطی لحسنه وفیه موسی ابن خلف العمی ضعف۔ بعضهم ووثقه بعضهم

ترجمہ۔ انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی مسلمان کو ستائے اس نے مجھے ستایا اور جس نے مجھے ستایا اس نے اللہ تعالیٰ کو ستانے کا ارادہ کیا (طبرانی)

عَنْ اَبِیْ بَرْزَةَ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ دُلَّنِیْ عَلٰی عَمَلٍ اَنْتَفِعُ بِهٖ قَالَ اِعْزِلِ الْاَذٰی عَنْ طَرِیْقِ الْمُسْلِمِیْنَ (رواہ ابن ماجہ)

ترجمہ۔ ابو برزہ سے روایت ہے کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ کوئی ایسا عمل بتایئے جو مجھے نفع دے آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹا دیا کرو۔ (ابن ماجہ)

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفت روزہ **خدام الدین** لاہور

فون نمبر ۶۷۵۴۵

جلد ۸ | محرم الحرام ۱۳۸۲ھ مطابق ۰ رجون ۱۹۶۲ء | شمارہ ۵

شرح چندہ

پاکستان و ہندوستان
سالانہ:- گیارہ روپے
ششماہی:- چھ روپے
سہ ماہی:- تین روپے
فی پرچہ:- ۲۵ پیسے

سعودی عرب - ایران - کویت
ملایا - ہانگ کانگ - افریقہ انگلینڈ
سالانہ:- عام ڈاک سے
۱۰ روپے ۷۵ پیسے
ہوائی ڈاک سے:- ۳۵ روپے

امریکہ: عام ڈاک سے ۲۲/- روپے، ہوائی ڈاک سے ۴۳/۸۰ پیسے
بیرونی ممالک کیلئے چھ ماہ سے کم میعاد کے لئے پرچہ جاری نہیں کیا جائیگا۔

فرانس کی رشوت خور عدالت

قارئین کرام کو معلوم ہے۔ کہ الجزائری حریت پسندوں اور فرانس کی حکومت کے صدر ڈیگال کے درمیان جنگ بندی کا سمجھوتہ ہو چکا ہے۔ جس سے الجزائر کی آزادی کا خواب ہمکنارِ تعبیر ہونے کو ہے۔ وہ فرانسیسی آبادکار جو پانچ چھ لاکھ کی تعداد میں یہودیوں کی طرح الجزائریوں کا خون چوسنے کے لئے وہاں جا آباد ہوئے ہیں۔ الجزائر کی آزادی کے تصور ہی سے مرے جاتے ہیں۔ ان کو اپنا مستقبل تاریک نظر آتا ہے۔ اسی طرح ان کی باتوں میں فرانس کی فوج بھی آگئی ہے۔ اس نے خفیہ فوجی تنظیم قائم کر رکھی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ فرانس گورنمنٹ کو بھی اپنے فیصلے پر نادم کیا اور الجزائری باشندوں کو بھی دہشت زدہ کیا جائے۔ ان کی دہشت زدگی کا زیادہ رُخ الجزائر کے بے گناہ عوام کی طرف ہے۔ آئے دن خبریں آتی رہتی ہیں کہ آج سو مسلمان شہید ہوئے اور آج پچاس۔ فرانسیسی درندے جو ہر طرح مسلح ہیں مسلمانوں کی غیر مسلح آبادی اور پُرامن باشندوں پر بم پھینکتے اور ان کو ہلاک کرتے ہیں۔

یہ صورت حال ناقابلِ برداشت ہے فرانس کی فوج میں سے بیس ہزار مسلمان فوج کو اس خفیہ تنظیم کو ختم کرنے پر مامور کیا گیا ہے۔ مختلف مقامات پر فوجی چوکیاں قائم کی گئی ہیں مگر الجزائری مسلمانوں کی مصیبت ختم ہونے میں نہیں آتی۔ ساری دنیا فرانسیسیوں کے اس رویّہ سے دل برداشتہ ہے، نالاں ہے مگر ان کے کانوں پر جوں نہیں رینگتی اور وہ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔

ڈیگال گورنمنٹ ان کا مقابلہ کر رہی ہے لیکن ابھی تک اس فتنے کا سدِباب نہیں کر سکی۔ فرانس گورنمنٹ نے خفیہ فوجی تنظیم کے سرغنہ جنرل سلان کو گرفتار کر لیا اس پر مقدمہ چلایا مگر کھودا پہاڑ نکلا چوہا۔ جو ٹربیونل مقرر کیا گیا تھا اس نے جنرل سلان کو عمر قید کی سزا دے دی۔

ہمارا خیال تھا کہ یہ سب شرارت ہے۔ جو شخص ہزاروں بے گناہوں کے قتلِ عام کا ذمہ دار ہے، امن کا دشمن اور حکومت کا باغی ہے اس کی سزا۔ موت سے تو کسی طرح کم نہیں ہونی چاہیئے تھی سزائے قید تو کل منسوخ یا بدلی جا سکتی ہے۔ جب بھی حکومت تبدیل ہوئی اس کی رہائی کے امکانات روشن ہو جائیں گے ظاہر ہے کہ اس کو موت سے بچانا دراصل فوجی باغیوں کی ہمت افزائی اور ان کی امداد ہے۔

حال ہی میں اقوام متحدہ کے اندر افریشیائی گروپ کا اجلاس منعقد ہوا جس میں افریقہ اور ایشیا کے ممبر ممالک شامل تھے انہوں نے بتایا کہ عنقریب الجزائر اقوام متحدہ کا ممبر بن جائے گا۔ انہوں نے جنرل سلان کی سزائے قید کو سازش سے تعبیر کیا۔ جنرل ڈیگال بھی اس فیصلے سے غیر مطمئن اور ٹربیونل سے بد دل ہے۔ چنانچہ اس ٹربیونل کو معطل کر دیا گیا ہے۔

بات یہ ہے کہ حرص و آز کے شکار فرانسیسی تو اپنے پیٹ کی بات سوچتے ہیں مگر گورنمنٹ فرانس کے سامنے فرانسیسی قوم کا مفاد ہے۔ اگر آج مشرقی جرمنی سے جنگ چھڑتی ہے تو فرانس الجزائری جانبازوں کی وجہ سے شل کا شل رہ جاتا ہے کیونکہ اس کی فوج الجزائر میں الجھی ہوئی ہے۔ چنانچہ فرانس نے اسی لئے تھائی لینڈ میں فوج بھیجنے سے بھی انکار کیا ہے۔

فرانسیسی گورنمنٹ الجزائری مسلمانوں کی قربانیوں، ان کی استقامت اور صبر و استقلال کے سامنے سرنگوں اور لاجواب ہو چکی ہے۔ وہ جانتی ہے کہ جب تک ان سے تصفیہ نہ ہو جائے کوئی بین الاقوامی ذمہ داری برداشت نہیں کی جا سکتی۔

اب صفائی سے یہ کہا جا رہا ہے کہ عدالت (ٹربیونل) نے جنرل سلان کے مقدمہ میں رشوت کھائی ہے اور اسی لئے سزائے موت نہیں دی حالانکہ اس کی شرارت سے سینکڑوں بلکہ ہزاروں انسانوں کا خون بہا۔ ملک میں بدامنی کی سی حالت قائم ہو گئی اور اس نے حکومت کو مشکلات میں مبتلا کر دیا۔

یہ ہیں وُہ مہذب لوگ جو ہم مشرقی کالے لوگوں کو غیر مہذب اور ناشائستہ کہنے میں ذرا بھی شرم محسوس نہیں کرتے۔ ہمیں یقین ہے کہ الجزائری مسلمانوں کا صبر رنگ لائے گا اور وحشی فرانسیسیوں کی ساری شرارتیں ختم ہو کر رہ جائیں گی۔ کل جب الجزائر کے افق سے آفتاب آزادی طلوع ہوگا تو پنڈت جواہر لال نہرو کو بھی اس کا ضمیر ملامت کرے گا جس نے الجزائری حکومت کو تسلیم کرنے سے محض اس لئے انکار کیا ہے کہ اس کو تسلیم کرنے سے بھارت کو کوئی فائدہ نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہُوا کہ بھارت کو فائدہ نہ ہو تو بنی نوع انسان تباہ ہو جائیں انہیں کوئی پرواہ نہیں —— یہ ہیں دنیا میں امن قائم کرنے کے مدعی ——

عام اہل اسلام سے درخواست ہے کہ وہ فرض نمازوں کے بعد اپنے مظلوم الجزائری اور کشمیری بھائیوں کے لئے عاجزی کے ساتھ خدائے برتر سے دعا مانگا کریں کہ وہ انہیں مصائب سے نجات دے کر کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کرے۔ آمین!

بترس از آہ مظلومان کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

خواتین کا صفحہ

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ

جناب محمد امین صاحب ہیڈ ماسٹر بورسٹل جیل - لاہور

ام المومنین حضرت خدیجہؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ اکبر اور جنت خاتون حضرت مائی فاطمۃ الزہراؓ کی والدۂ ماجدہ ہیں - ایام بیوگی میں آپ غلاموں کے ذریعہ تجارت کرتی تھیں - اور ایک امیر تاجرہ تھیں "طاہرہ" آپ کا لقب ہے اور اسی پاکیزہ لقب سے معروف تھیں - جب آپ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کیا - تو یہ ساری دولت نیک کاموں میں خرچ کی - اور طلوعِ اسلام کے بعد آپ کی ساری دولت تبلیغ اور اشاعتِ اسلام کے لئے صرف ہوئی -

آپ کا کاروبار تجارت نہایت وسیع تھا - جس کو سنبھالنے کے لئے آپ کے پاس کئی غلام تھے - جب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت اور امانت کا عام چرچا ہونے لگا اور آپؐ "صادق" اور "امین" کے القاب سے ملقب ہوئے حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کی صداقت اور دیانت کا شہرہ سنا تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو تجارت کے لئے کچھ مال دے کر شام کی طرف بھیجا - حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی اس سفر میں آپؐ کے ہمراہ تھا - چنانچہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تجارت میں خوب منافع ہوا اور آپؐ نے واپس آکر وہ تمام منافع حضرت خدیجہؓ کی خدمت میں پیش کر دیا - میسرہ نے بھی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت و دیانت کی خوب تعریف کی اور آپؐ کی دیانتداری کے چشم دید واقعات سنائے - جن سے حضرت خدیجہؓ بہت متاثر ہوئیں - آپؓ کی عمر اس وقت ۴۰ برس تھی - چونکہ آپ اکیلی تھیں اس لئے اتنے وسیع کاروبار پر آپ کا قابو پانا مشکل تھا اور آپ کو ایک ہمدرد رفیق حیات کی ضرورت تھی - رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ نے حضرت خدیجہ کے دل پر گہرا اثر ڈالا - چنانچہ حضرت خدیجہؓ نے شادی کی پیش کش کی - جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب کی صلاح کے بعد منظور فرما لی - اس وقت آپؐ کی عمر ۲۵ برس تھی - نکاح کے بعد حضرت خدیجہؓ نے اپنا سارا مال و اسباب رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا -

رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم عبادتِ الٰہی کے لئے غارِ حرا میں تشریف لے جاتے اور کئی کئی دن عبادت میں مصروف رہتے - حضرت خدیجہؓ آپ کو کام کاج سے فارغ ہی رکھتیں - اور آپ کی عبادت و ریاضت میں کسی طرح کمی نہ آنے دیتیں - چنانچہ جس دن جبرئیل امینؑ پہلی وحی لے کر آئے - تو آپ گھبرائے ہوئے گھر واپس تشریف لائے - اور آتے ہی مائی خدیجہؓ سے فرمایا "زملونی" مجھے کمبل لپٹاؤ - چنانچہ آپ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو کمبل لپٹایا - اور سارا ماجرا سننے کے بعد آپ کی ڈھارس بندھاتے ہوئے فرمایا - کہ خدا تعالےٰ اپنے نیک بندوں کو ضائع نہیں کرتا - آپ نیک، امین اور دیانتدار ہیں - خدا آپ کا محافظ ہے - پرانی کتابوں سے ثابت ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے نیک بندوں کو محفوظ و مامون رکھتا ہے - آپ یتیموں کے والی، غریبوں اور بیواؤں کے مولیٰ ہیں - آپ کو خدا ضائع نہیں کریگا - اس کے بعد وہ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل (جو انجیل کے بہت بڑے عالم تھے) کے پاس لے گئیں - وہ نابینا تھے - انہوں نے سارا ماجرا سن کر آپ کے نبی آخرالزماں ہونے کی پیش گوئی کی - اور کہا کہ قوم انہیں جھٹلائے گی اور تکالیف دے کر وطن سے نکال دے گی مگر آپؐ کو چاہیئے کہ ثابت قدم رہیں - آخر آپ کو فتح ہو گی - یہ سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں - اور آپ سب سے پہلے ایمان لانے والی ہیں - آپ نے اپنے جیبنِ حیات میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ بٹانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی - اور تمام مصائب میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ڈھال کا کام دیتی رہیں - آپ نے بے دریغ اپنا مال و دولت راہِ اسلام میں لٹایا - اور کئی ایک بے کس و مجبور مسلمان غلاموں کو اپنی گرہ سے قیمت ادا کر کے ظلم و ستم کی چکیوں سے نکالا -

ام المومنینؓ نے جس طرح رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور اخلاق سے متاثر ہو کر نکاح کیا - اسی طرح جذبۂ اسلام سے سرشار ہو کر اپنی ساری دولت راہِ اسلام میں خرچ کی - اور سب سے بڑھ کر ہر قدم اور ہر مشکل میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا - حوصلہ افزائی اور غمگساری فرمائی - بسا اوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آلام کے پہاڑ الٹ آئے - مگر آپ نے ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حوصلہ بندھوایا - تن، من اور دھن سے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اطہر کو ثابت قدم رکھا - اور یہی وجہ تھی کہ آپ کی وفات کو "عام الحزن" کہا جاتا ہے -

نبوت کے دس سال بعد جس سال حضرت طاہرہؓ کا انتقال ہوا - اسی سال جناب ابوطالب بھی فوت ہوئے - دونوں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمدرد، غمگسار، مونس، رفیق اور شفیق تھے - اور ان کی مفارقت کی وجہ سے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اکثر غمناک رہتے اسی لئے اس سال کا نام "عام الحزن" قرار پایا -

وفات کے بعد حضرت خدیجہؓ کا وہ ہار جو آپ نے اپنی لختِ جگر حضرت زینبؓ کو دیا تھا - حضرت زینبؓ نے اپنے خاوند ابوالعاص کے فدیہ میں بھیجا - تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہار کو دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے - کیونکہ ایک تو یہ ہار جگر گوشۂ رسولؐ کی طرف سے آیا تھا - دوسرے در اصل یہی ہار حضرت طاہرہؓ کا تھا جو آپ نے بطور جہیز حضرت زینبؓ کو دیا تھا -

(باقی صـ ۱۶ پر)

مجلس ذکر منعقدہ جمعرات ۲۷ر ذوالحجہ ۱۳۸۱ھ مطابق ۳۱ر مئی ۱۹۶۲ء

جانشین شیخ التفسیرؒ حضرت مولانا عبید اللہ انورؔ مدظلہ العالی نے مجلس ذکر کے بعد حسب ذیل تقریر ارشاد فرمائی۔
(ناظر)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۰ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی ۔ اَمَّا بَعۡدُ

تہذیبِ اخلاق کے چار اصول

فَاذۡکُرُوۡنِیۡۤ اَذۡکُرۡکُمۡ وَاشۡکُرُوۡا لِیۡ وَلَا تَکۡفُرُوۡنِ ۰ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوۃِ ط اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ ۰

ترجمہ:۔ پس مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد کروں گا۔ اور میرا شکر کرو ناشکری نہ کرو —— اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لیا کرو۔ بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

ان آیات میں مومنوں کی بقاء، ترقی اور نجات کے چار اصول ذکر کئے گئے ہیں۔

۱۔ ذکر ۔ ۲۔ شکر ۔ ۳۔ صبر ۔ ۴۔ صلوٰۃ (دعا)

یہی چار اصول تصوّف کی جڑ بنیاد ہیں۔ اور انہیں پر تہذیبِ اخلاق کا دارو مدار ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حاشیۂ قرآن جس کا عکسی ایڈیشن بھی چند ماہ کے اندر اندر فیروز سنز سے چھپ کر آنے والا ہے۔ اس میں لکھا ہوا ہے کہ قرآن کریم میں تہذیبِ اخلاق کا باب اسی آیت سے شروع ہوتا ہے۔

اللہ رب العزّت فرماتے ہیں۔ کہ ہم کو زبان سے، دل سے، ذکر سے، فکر سے، ہر طرح سے یاد کیا کرو۔ اور اطاعت کرو —— ہم تم کو یاد کرینگے یعنی نئی نئی رحمتیں اور عنایتیں تم پر ہوتی رہیں گی —— ہماری نعمتوں کا شکر خوب ادا کرتے رہو۔ اور ہماری ناشکری اور معصیت سے بچتے رہو ——

ذکر، شکر اور ترکِ کفران چونکہ تمام طاعات اور اوامر و نواہی کو محیط ہے اس لئے دشوار امر ہے۔ اس کی سہولت کے لئے صبر اور صلوٰۃ سے مدد لینے کے لئے کہا گیا کہ ان کی مداومت سے تمام امور سہل کر دئے جاتے ہیں۔

قرآن ۔ جامع، مانع، کامل اور اکمل کتاب ہے۔ دنیا کا کوئی مہتم بالشان مسئلہ نہیں جو اس میں موجود نہ ہو۔ اور کوئی ایسا ضابطۂ اخلاق نہیں ۔ جو قرآنِ حکیم نے پیش نہ کیا ہو۔

چنانچہ اس آیت میں تہذیبِ اخلاق کا جو پہلا اصول بتایا وہ ذکر اللہ ہے تاکہ انسان اس کی برکت سے مصفیٰ، مجلّٰی اور مخلّٰی ہو، اپنے اندر لطافت پیدا کرے، پاکیزہ نفس بنے، باطنی کمالات سے متّصف ہو، تزکیہ کی نعمت سے بہرہ ور ہو جائے اور اللہ کی رضا کے مطابق مشاغلِ حیات انجام دے سکے

ذکر اللہ کے بعد شکر، صبر اور صلوٰۃ (دعا) کا تذکرہ کیا تاکہ انسان نعمتوں پر شکر ادا کرے۔ مصیبتوں، مشکلات اور پریشانیوں کی صورت میں صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دے، اللہ کی پناہ میں آ جائے۔ اُس کی رضاجوئی کو شعار بنا لے، اُسی کے آستانۂ عظمت پر سر نیاز جھکائے۔ اپنی پیشانی زمین پر رگڑے، صرف اس کا دروازہ کھٹکھٹائے اور فقط اسی سے امداد و اعانت کا طالب ہو۔ اور اس طرح پہلے اپنی تربیّت کرے، خود کو تیار کرے، ٹریننگ دے۔ ذکر و فکر، شکر، ترکِ کفران، صبر اور صلوٰۃ کے انوار و تجلّیات سے منوّر ہو اور پھر کائناتِ انسانی کے لئے شمع ہدایت بنے۔

ذکر —— اصل میں اس کیفیت کا نام ہے کہ انسان خواہ سفر میں ہو یا حضر میں، آرام میں ہو یا راحت میں، جلوت میں ہو یا خلوت میں، حالتِ عسر میں ہو یا یسر میں، ہر حال میں اللہ ربّ العزت سے تعلق رکھے، رابطہ رکھے —— کسی صورت میں بھی تعلق باللہ میں خلل نہ آنے پائے —— ایک عاشقِ زار جیسے اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اپنے محبوب کی جدائی سے بیقرار رہتا ہے، بےچین رہتا ہے، دل میں اس کے لئے تڑپ ہوتی ہے، سوز و گداز ہوتا ہے اور اس کی یاد —— جلوت و خلوت میں اُسے ستاتی ہے۔ بعینہٖ اسی طرح بلکہ اس سے بھی کئی ہزار گنا زیادہ عشق ایک مومن کے دل میں محبوبِ حقیقی کے لئے ہونا چاہئے۔

جب انسان کے دل میں یہ کیفیت پیدا ہو جائے کہ باری تعالےٰ کو ہر وقت سامنے رکھے۔ اُس کی یاد میں محو رہے دل میں سوائے خدا کے اور کوئی نہ سمائے، قلب اُسی کی طرف مائل رہے —— اور انوار و تجلّیاتِ الٰہیہ کا مرکز بن جائے۔ اُس کو نفع، نقصان کا مالک سمجھے —— مصیبت کے وقت اسی کا دروازہ کھٹکھٹائے اور اس کے سوا کسی دوسرے کے آگے ہاتھ نہ پھیلائے، ظلم، ستم، جھوٹ، فریب کے قریب بھی نہ جائے —— تو جس شخص کا یہ نصب العین اور مطمعِ حیات بن جائے اس کے اخلاق کا کیا ٹھکانہ ہو سکتا ہے! —— بہیمیت و شر اُس کے قلب میں کیسے راہ پا سکتے ہیں؟ —— ایسا شخص تو کائنات کے لئے سرتاپا رحمت اور سراسر راحت ہی ہوگا۔

شکر —— اگر خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو انسان اُسی کی راہ میں خرچ کرے تو یہ شکر ہے —— اور اس کے برعکس رضائے الٰہی کے خلاف صرف کرتا ہے تو کفرانِ نعمت ہے —— اللہ نے آنکھیں اس لئے دی ہیں کہ عجائباتِ قدرت دیکھ کر درسِ عبرت حاصل کرے۔ قرآن پاک پڑھے، حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کرے۔ اب اگر کوئی شخص آنکھوں سے یہ کام لیتا ہے تو وہ شکرگزار بندہ ہے اور اگر انہیں آنکھوں سے کسی غیر عورت کی طرف بری نظر سے دیکھے، سینما بینی کرے اور کوئی خلافِ شریعت

کام ان سے لے تو کفرانِ نعمت اور ناشکری ہوگی۔

زبان دی گئی ہے کہ اس سے اللہ کا ذکر کیا جائے۔ اللہ کی گمراہ مخلوق کو بذریعہ تبلیغ۔ ہدایت پر لایا جائے —— امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا جائے۔ اگر کوئی شخص یہ فریضہ زبان سے سرانجام دے تو شکرگذاری ہے اور اگر کسی نے ذکر اللہ سے غفلت کی، تبلیغ حق کی بجائے اس سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ مسلمان بھائیوں کی غیبت کی، جھوٹ بولا، گالیاں دیں اور خرافات بکیں تو کفرانِ نعمت کیا اور ناسپاس ہونے کا ثبوت دیا۔

اب آپ خود ہی اندازہ فرمائیں۔ کہ اگر انسان میں صبر و شکر کی یہ صورت پیدا ہو جائے تو اس سے کسی گناہ کا صدور ہو سکتا ہے؟ —— کسی جرم کا ارتکاب وہ کر سکتا ہے؟ وہ کسی غریب پر ظلم کرے گا؟ ناحق کسی کا مال غصب کرے گا وہ؟ کسی کو ستانے میں اُسے خوشی ہوگی؟ کسی کی عصمت دری اس سے ہو سکے گی؟ نہیں! نہیں —— بلکہ وہ تو غریبوں کا حامی، مظلوموں کا مددگار، بے کسوں کا غمگسار، حق کا طرفدار، باطل سے بیزار، ظالموں کا دشمن، شرفاء کا ساتھی اور عصمتوں کا محافظ ہوگا۔

صبر —— یہ ہے کہ راہِ حق میں تکالیف اگر آئیں تو انہیں خندہ پیشانی سے برداشت کرے، تھک کر بیٹھ نہ جائے اور جی ہار کر اللہ کے دین کا کام ترک نہ کر دے۔ بلکہ مصائب جھیلتا جائے اور اپنی دھن میں مگن رہے —— کام پر ڈٹا رہے۔ استقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔

جب کوئی ضرورت پیش آئے تو تمام کائنات سے قطع نظر اللہ رب العزت ہی کے آگے دستِ سوال دراز کرے۔ اسباب پر نظر نہ کرے، بلکہ مسبب الاسباب پر نگاہ رکھے۔ مراد بر آئے اور جس شے کی طلب ہو وہ ہاتھ آئے تو اُسے بے جا صرف نہ کرے اور اگر مطلوبہ چیز ہاتھ نہ بھی لگے تو کسی کے آگے دامن نہ پھیلائے۔ کسی اور دروازہ کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص اس اصول پر ڈٹ جائے، پکا ہو جائے، اس کے معنی سمجھ لے اور اسے ساری زندگی کے لئے اصولِ حیات قرار دے لے تو دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہو —— فلاح دارین اس کے قدم چومے، عزت و عظمت اُس کے جوتوں پہ نچھاور ہو ——

دُعاء —— انسان جو مانگے اللہ جل شانہٗ سے مانگے۔ جھکے تو اسی کے آگے جھکے۔ جبینِ نیاز صرف اُسی کی چوکھٹ پر خاک آلود کرے۔ اور ادھر ادھر ٹھوکریں نہ کھائے فقط ایک دَر کا ہو کر رہے۔ یک در بگیر و محکم بگیر۔

اس سے بڑھ کر باعزت زندگی اور کیا ہو سکتی ہے کہ انسان صرف ایک ہی آستانۂ شاہی پر جبہ رسائی کرے۔ اور اس کے علاوہ ساری کائنات سے بے نیاز ہو ؎

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

آبرومندی اس سے زیادہ کیا ہوگی۔ کہ انسان فراخی اور کشادگی کی حالت میں بھی بے فکر ہو اور تنگی و عسرت کی حالت میں بھی شانِ بے نیازی اور استغناء کو برقرار رکھے —— زبان شریعت میں اسی کا نام 'خودی' ہے ؎

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندہ سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

غرض جو مانگے صرف خدا سے مانگے۔ اگر کسی مصلحت کی بناء پر مطلوبہ شے نہ بھی ملے تو مایوس نہ ہو۔

یہ چار اصول ذکر، شکر، صبر اور دعاء۔ اگر ان میں سے کوئی انسان کسی ایک کو بھی صحیح طور پر اپنا لے، زندگی کا نصب العین قرار دے لے تو یہ دنیا کی عزت، آخرت کی کامیابی اور عذاب الٰہی سے بچنے کے لئے کافی ہے۔

صلوٰۃ اصل میں ان چاروں اشیاء کا مجموعہ ہے۔ اور اسی لئے ہادی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے زیادہ زور امت پر دیا ہے۔ اور یہاں تک فرما دیا۔

من ترک الصلوٰۃ متعمدًا فقد کفر۔ جس نے ایک نماز بھی جان بوجھ کر ترک کر دی کافر ہو گیا۔

قرآن حکیم میں بھی سات سو مرتبہ اقیموا الصلوٰۃ کی ہدایت کا آنا اس کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے —— اللہ رب العزت ہمیں اسے پابندی سے سنت نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مطابق قائم کرنے اور اس کے لوازمات کو کماحقہٗ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خلاصہ

حاصل کلام یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ وعمّ نوالہٗ نے انسان کو تعلیم و تلقین کی ہے اس بات کی کہ منافع کی صورت میں بھی قانونِ الٰہی کو ملحوظ خاطر رکھے۔ اور دفع ضرر کے وقت بھی اُسی کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے۔ جب کام ہو جائے۔ تو اسی کا شکریہ ادا کیا جائے اُس کی نعمتوں کا بے جا صرف نہ کیا جائے۔ کسی مصلحتِ خداوندی سے کام نہ بھی ہو تو دعا کرتے رہیں۔ در بدر کی ٹھوکریں نہ کھائیں۔ اور یہ عقیدہ رکھیں کہ دعا ایک نہ ایک دن ضرور قبول ہوگی۔

حضرات:۔ اگر آپ اللہ کے دروازہ پر کھڑے رہیں گے آپ کے قدم نہ لڑکھڑائیں گے۔ پائے ثبات میں آپ کے لغزش نہیں آئے گی اور اللہ ہی کے دامن سے آپ چمٹے رہیں گے تو پھر ارشاد ربانی ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝

اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اللہ رب العزت آپ کا ساتھ ضرور دیں گے۔

یہی سب سے بڑی کامیابی ہے کہ اللہ کی معیت حاصل ہو جائے —— اللہ تعالےٰ ہمیں دینِ حق پر قائم رکھے۔ سنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم کی پیروی نصیب فرمائے۔ اور اپنی رضا کا تمغہ عطا کرے۔ آمین!

بقیہ صہ ۴ **حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا**

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں آپ کی اتنی قدر و منزلت تھی کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کی سہیلیوں تک کی قدر فرماتے اور ان کو تحفے تحائف بھجوایا کرتے اور جب کبھی حضرت خدیجہؓ کا ذکر آتا۔ آپؐ آبدیدہ ہو جاتے۔ اور یہ سب ان کی رفاقت اور وفاداری کا نتیجہ تھا۔ خدائے قدوس ہماری سب بہنوں کو بھی ایسی ہی وفاداری کی توفیق بخشے۔ آمین!

خطبہ یوم الجمعہ ۲۷ ذوالحجہ سنہ ۱۳۸۱ھ مطابق یکم جون سنہ ۱۹۶۲ء

جمعہ سے پہلے جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انور مدظلہ العالی نے پڑھا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ۔ اَمَّا بَعْدُ

ہمیں کیا کرنا چاہیئے

برادرانِ اسلام :۔ مسلمانوں کو جمعہ کے دن اس لئے دربارِ الٰہی میں جمع کیا جاتا ہے تاکہ خطیبِ جمعہ کتاب و سنت کی روشنی میں مسلمانوں پر تنقیدی نگاہ ڈالے ۔ اور جو چیز قابلِ اصلاح ہو کتاب و سنت ہی سے اس کی اصلاح کا طریقہ بتلائے ۔ تاکہ اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق خدا کے بندے زندگی بسر کرکے دنیا سے جائیں ۔ اور صراط مستقیم پر چلنے کی برکت سے قبر کے عذاب ، پچاس ہزار سالہ قیامت کے دن کے عذاب ، اور دوزخ کے عذاب سے بچ کر مہمان خانہ الٰہی یعنی بہشت میں پہنچ جائیں ۔ اسی خیال کے ماتحت چند چیزیں عرض کرنا چاہتا ہوں ۔ اگر آپ نے ان معروضات کو توجہ سے سنا اور بطور سبق کے انہیں یاد رکھا اور ان پر عمل کیا ۔ تو آپ کے اور میرے حق میں وہی نتائج حسنہ پیدا ہوں گے جو اوپر عرض کر چکا ہوں ۔

پہلی چیز

زندگی کا مقصد اللہ تعالےٰ کی رضا حاصل کرنا ہے ۔

قولہ تعالےٰ :۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝

(سورہ الانعام رکوع ۲۰)

ترجمہ :۔ کہہ دو بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا اللہ ہی کے لئے ہے ۔ جو سارے جہان کا پالنے والا ہے ۔ اس کا کوئی شریک نہیں ۔ اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا تھا ۔ اور میں سب سے پہلے فرمانبردار ہوں ۔

برادرانِ اسلام :۔ اگر انسان چاہے کہ میری زندگی کا ہر لمحہ اور ہر عملِ حیات رضا الٰہی کا ذریعہ بن جائے ۔ تو یہ مقصد بفضلہ تعالےٰ آسانی سے حاصل ہو سکتا ہے اور اس صورت میں اس کا ہر کام عبادت میں شمار ہوگا ۔ اس کا کھانا پینا ، سونا جاگنا ، کپڑا پہننا ، تجارت کرنا ، زراعت کرنا ، ملازمت کرنا ، حتیٰ کہ بول و براز تک رضا الٰہی کا ذریعہ بن سکتے ہیں ۔ اور عبادت میں شمار ہو سکتے ہیں ۔ بشرطیکہ ہر ایک کام کرتے وقت دل میں یہ نیت کرلے ۔ کہ اے اللہ ! یہ کام تیرے لئے کر رہا ہوں ۔

دوسری چیز

برادرانِ اسلام :۔ جب ہم نے مان لیا کہ ہماری زندگی کا مقصد اللہ تعالےٰ کی رضا حاصل کرنا ہے ۔ اب اس مقصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک دستور العمل ، ایک مکمل طریقِ کار ، ایک صحیح پروگرام کی ضرورت ہے میں آپ کو خوشخبری سناتا ہوں ۔ کہ اللہ تعالےٰ نے ہمیں ایک مکمل دستور العمل عطا فرمایا ہوا ہے اور وہ قرآن مجید ہے ۔ اور اس پر عمل کرنے کے لئے عملی نمونہ ہمارے سامنے سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پیش کیا گیا ہے ۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ۔ الآیہ

(سورۃ المائدۃ رکوع ۱)

ترجمہ :۔ آج میں تمہارے لئے تمہارا دین پورا کر چکا ۔ اور میں نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا ۔ اور میں نے تمہارے واسطے اسلام ہی کو دین پسند کیا ہے ۔

(ب) لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوْا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا ۝ (سورۃ الاحزاب رکوع ۳)

ترجمہ :۔ البتہ تمہارے لئے رسول اللہ میں اچھا نمونہ ہے ۔ جو اللہ (کی ملاقات) اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہے اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے ۔

اس آیت پر شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا حاشیہ ۔

" یعنی اس عالمگیر اور مکمل دین کے بعد اب کسی اور دین کا انتظار کرنا سفاہت ہے ۔ اسلام جو تفویض و تسلیم کا مرادف ہے ۔ اس کے سوا مقبولیت اور نجات کا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ۔ (تنبیہ) اس آیت " اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ " کا نازل فرمانا بھی منجملہ نعمائے عظیمہ کے ایک نعمت ہے ۔ اسی لئے بعض یہود نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا ۔ کہ امیرالمومنین ! اگر یہ آیت ہم پر نازل کی جاتی تو ہم اس کے یوم نزول کو عید منایا کرتے ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ۔ مجھے معلوم نہیں کہ جس روز یہ ہم پر نازل کی گئی ۔ مسلمانوں کی دو عیدیں جمع ہو گئی تھیں ۔ یہ آیت سنہ ۱۰ھ میں " حجۃ الوداع " کے موقع پر " عرفہ " کے روز " جمعہ " کے دن " عصر " کے وقت نازل ہوئی جبکہ میدانِ عرفات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے گرد چالیس ہزار سے زائد اتقیاء و ابرار رضی اللہ عنہم کا مجمع کثیر تھا ۔ اس کے بعد صرف اکیاسی روز حضورؐ اس دنیا میں جلوہ افروز رہے ۔"

اصلی اور سچا دین

میرے بھائیو اور بہنو ! اصلی اور سچا دین فقط وہی ہے جو اللہ تعالےٰ نے ہمیں قرآن مجید میں عطا فرمایا ہے اور اللہ تعالےٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اس پر عمل کرنے کا نمونہ بھی دکھا دیا ۔ لہٰذا ہمارا فرض ہے کہ اسی دین کو اللہ تعالےٰ کا دین سمجھیں اور اسی پر عمل کریں تاکہ عذاب الٰہی سے بچ کر جنت میں پہنچ جائیں ۔

نقلی اور جھوٹے دین

برادرانِ اسلام :۔ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے نقلی اور جھوٹے دینوں کی بھی ہمیں اطلاع فرمائی ہے اور نقلی دینوں کا نام بھی اسلام ہی ہوگا۔ چنانچہ آپ کا ارشاد ملاحظہ ہو۔ وَاِنَّ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰی ثِنْتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ مِلَّۃً وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلٰثٍ وَّسَبْعِیْنَ مِلَّۃً کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّۃً وَّاحِدَۃً قَالُوْا مَنْ ھِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ (رواہ الترمذی)

ترجمہ:- اور بیشک بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں تقسیم ہوگئے تھے۔ اور میری امت تہتر فرقوں میں تقسیم ہوگی سوائے ایک فرقے کے سب دوزخ میں جائیں گے۔ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کون سی جماعت ہوگی (جو بہشت میں جائے گی) آپ نے فرمایا۔ جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہ کرام ہیں۔

نتیجہ

برادرانِ اسلام:- آپ نے دیکھ لیا۔ آپ کی پیشین گوئی ہے کہ آپ کی امت میں بہتر فرقے گمراہ ہوں گے۔ اللہ تعالےٰ مجھے اور آپ کو ان گمراہ فرقوں میں شامل ہونے سے بچائے اور قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق جو اسلام ہے اس کا پابند بنائے۔

ایک مثال

مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پانچ کام کرنے والا مسلمان ہے۔ کلمۂ شہادت کا اقرار کرنا۔ نماز پڑھنا۔ روزہ رکھنا۔ (اگر صاحب نصاب ہے۔ تو) زکوٰۃ دینا۔ (اگر توفیق ہے۔ تو) حج کرنا۔ اور ان کاموں کے کرنے کا بفضلہ تعالےٰ نتیجہ یہ ہے کہ اس آدمی کو مغفرت نصیب ہوگی۔ یہ تو اصلی اسلام ہے۔ آج کل ہمارے پنجاب میں نقلی اسلام یہ ہے کہ کلمۂ شہادت اسے نہ بھی آتا ہو، اور نماز بھی نہ پڑھے، روزہ بھی نہ رکھے، زکوٰۃ ساری عمر نہ دے، حج باوجہ فرض ہونے کے نہ کرے۔ مگر مرنے کے بعد امام مسجد کو ایک قرآن بصورت اسقاط دے دے یا دو اڑھائی روپے امام مسجد کو گناہوں کا کفارہ کرکے دے دے تو وہ بخشا جائے گا۔ اب جو شخص مسلمانوں کو اصلی اسلام پیش کرے۔ اور اسقاط والے بناوٹی اسلام کی تردید کرے تو اسے وہابی کہا جاتا ہے اور بھی اس قسم کی بیسیوں چیزیں ہیں جنہیں اصلی اور سچے اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے مگر وہ اسلام ہی خیال کی جاتی ہیں۔

دوسری مثال

اگر ایک شخص کلمۂ شہادت کا اقرار کرے، نماز پڑھے، روزہ رکھے، زکوٰۃ ادا کرے، حج کر چکا ہو۔ مگر اولیائے کرام کے مزارات پر قوالی جو کرائی جاتی ہے۔ اس میں شریک نہ ہو اور یہ کہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ چیز نہیں کی گئی۔ تو اسے وہابی اور بے ایمان کہا جاتا ہے اور اگر نماز نہ پڑھے، روزہ نہ رکھے۔ زکوٰۃ فرض ہے تو نہ دے اور حج فرض بھی ہو تو بھی نہ کرے۔ مگر قوالی کے مصارف میں چندہ دے دے اور خود اس میں سننے کے لئے شریک بھی ہو جائے تو وہ سُنّی ہے مسلمان ہے۔

دُعا

اللہ تعالےٰ مجھے اور آپ کو اللہ جلشانہٗ کے نازل کردہ اور سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام والے سکھائے ہوئے اسلام کا پابند ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا الہ العالمین۔

ایک نیک مشورہ

برادرانِ اسلام:- میں آپ کو ایک نیک مشورہ دیتا ہوں ہمیشہ ایسے علمائے کرام کی خدمت میں بیٹھنے کی کوشش کریں۔ جو آپ کو اسلام پیش کرتے وقت دو چیزوں کا لحاظ رکھیں۔ اوّل قرآن مجید پیش کریں اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کے عمل میں وہ چیز دکھا دیں۔ اور ایسے علماء کے پاس جانے کو اپنے حق میں زہر قاتل خیال کریں۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد کی پیدا شدہ چیزوں کو پیش کرکے مسلمانوں میں اختلاف پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالےٰ ایسے علماء کو ہدایت عطا فرمائے اور آپ کو ان سے کنارہ کش رہنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یاالہ العالمین

بقیہ امام ولی اللہ صفحہ ۱ سے آگے

لئے انگریزوں کے ساتھ گفت و شنید کو کافی سمجھا گیا۔ اور اب کسی فوجی کاروائی کی ضرورت نہ رہی۔ البتہ تقسیم ہند کے نظریے کو اسلامی حکومت قائم کرنے کے لئے اساس بنایا گیا۔

مولانا عبید اللہ سندھی ترکی سے حجاز تشریف لائے۔ اور مکہ مکرمہ میں بارہ برس تک مقیم رہے اور اس طرح ہر سال حجاز آنے والے حضرات کو اپنا فکر دیتے رہے بالآخر ۱۹۳۹ء میں وہ وطن واپس آئے۔ ان کی خواہش یہ تھی۔ کہ نوجوانوں کو فلسفۂ ولی اللہی کے مطالعے کی طرف دعوت دی جائے۔ تاکہ وہ اس کی روشنی میں اپنے نظامات درست کریں۔ مولانا سندھی نے ۵ سال فلسفہ ولی اللہی کی اشاعت کی مارچ ۱۹۴۴ء میں ایک باقاعدہ سوسائٹی امام ولی اللہ دہلوی کے فلسفے کی اشاعت کے لئے قائم کی۔ اور اگست ۱۹۴۴ء میں آپ فوت ہوگئے وہ اپنا سارا فکر چند مطبوعہ کتابوں اور مقالوں کے علاوہ املائی کی صورت میں لکھوا گئے جو کئی ہزار صفحات میں سوسائٹی کے پاس محفوظ ہیں۔

غرض تحریک ولی اللہی کے تیسرے دور کی خصوصیت یہ ہے۔ کہ تقسیم ملک کے ساتھ آزادی حاصل کرکے فلسفہ ولی اللہی کی اشاعت کی جائے۔ اور نوجوانوں کو اس فلاسفی کی باقاعدہ تعلیم دی جائے۔ کیونکہ یہ فلسفہ اشتراکیت اور سرمایہ داری کے فلسفوں کا جواب ہے اور لادینیت کے زہر کا تریاق ہے۔ نیز یہ فلسفہ اس قابل ہے۔ کہ اس صنعتی اجتماعی دور میں نمونے کی اسلامی حکومت کی اساس بن سکے۔ اور مسلمانوں کو پہلے قومی پیمانے پر مضبوط کرکے پھر بین الاقوامی سطح پر عزت اور غلبہ دلا سکے۔

ولی اللہ سوسائٹی پاکستان (۲۲۳ر این سمن آباد لاہور) فلسفہ ولی اللہی کی اشاعت میں سرگرم ہے۔ اور متعدد کتابیں اور رسالے تصنیف کرکے شائع کرچکی ہے۔ اگر ہمارے نوجوان فلسفہ ولی اللہی کا مطالعہ کرنا چاہیں۔ تو یہ سوسائٹی انہیں کافی مدد دے سکتی ہے

امام ولی اللہ دہلوی کا فلسفہ کیا ہے؟ اور وہ کس طرح انسانی مسائل کو حل کرتا ہے؟ اس کا تذکرہ کسی اگلی اشاعت میں کیا جائیگا

امام ولی اللہ دہلویؒ اور اُن کی انقلابی تحریک

از محمد مقبول عالم بی اے لاہور

امام ولی اللہ دہلویؒ کون ہیں؟

اُن کے افکار کیا ہیں؟ اور اُن کی پیدا کردہ تحریک کن ادوار سے گزر کر ہم تک پہنچی ہے؟ یہ وہ سوالات ہیں۔ جن سے عوام تو ایک طرف، ہمارے تعلیم یافتہ حضرات بھی کوئی زیادہ واقفیت نہیں رکھتے حالانکہ ہماری موجودہ ترقی، خواہ وہ فکری ہو یا سیاسی، حضرت امام اور اُن کی انقلابی تحریک ہی کی مرہون منت ہے۔

بات یہ ہے۔ کہ برعظیم پاک و ہند میں مغلیہ خاندان ایک عرصہ سے حکمرانی کر رہا تھا۔ اور اسلام کی عزت اور غلبے کا نشان قائم کئے ہوئے تھا۔ یہاں تک کہ سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ کا زمانہ آگیا۔ اب اس برعظیم کا پورا علاقہ راس کماری سے کابل تک اور ڈھاکہ سے قندھار تک ایک اسلامی قانون کے زیرنگیں تھا۔ جس کا نام "فتاویٰ عالمگیری" ہے۔ یہ وہ قانون تھا۔ جسے سلطان نے نامور علماء کو جمع کرکے تیار کروایا تھا۔ انہی علماء میں سے ایک شاہ عبدالرحیم دہلویؒ بھی تھے۔

اورنگ زیب عالمگیرؒ ۱۷۰۷ء میں فوت ہوگیا۔ اُس کے جانشین نااہل ثابت ہوئے نتیجہ یہ نکلا کہ سلطنت مغلیہ کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ اور علاقے مرکز سے جدا ہونے شروع ہوئے۔

اب سوال پیدا ہوا۔ کہ مغلوں کے بعد حکومت اسلامیہ کی شیرازہ بندی کیوں کر ہوگی؟ یہاں کوئی دوسری شاہی طاقت نہ تھی جو اُن کی جگہ لے سکتی اور ویسے بھی اب دنیا میں شاہی دور کا خاتمہ قریب تھا۔ اور جمہوری دور شروع ہونے والا تھا اس لئے اب وقت آگیا۔ کہ اسلامی تاریخ کے ابتدائی زمانے میں خلافت راشدہ کا جو نظام تھا۔ اُسے نمونہ بنایا جائے خلافت راشدہ صحیح معنوں میں جمہوری طرز کی حکومت تھی۔ چونکہ اس وقت ابھی شاہی دور ہی چل رہا تھا۔ اس لئے خلافت راشدہ کے خاتمے کے بعد شاہی نظام ہی سے کام لیا گیا۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت تسلیم کرکے قرآن حکیم کا قانون چلانا ہوگا۔ یہ ایک بہت بڑا فرق تھا جس سے اسلامی شاہی حکومتیں غیر اسلامی شاہی حکومتوں سے ممتاز ہوگئیں چنانچہ خلافت راشدہ کے نمونے کے دور کے بعد شاہی دور میں بھی اسلامی قانون ہی چلتا رہا البتہ اس کے لئے مختلف قوموں نے خدمت کی۔ پہلے عربوں نے پھر ایرانیوں نے اور اُن کے بعد ترکوں نے۔ ترکوں کی دو شاخوں نے اسلام کی خدمت کی۔ عثمانی ترک جن کا مرکز قسطنطنیہ تھا اور مغل ترک، جن کا مرکز دہلی تھا۔ لیکن اورنگ زیب عالمگیرؒ کے بعد ترک بھی زوال پذیر ہوگئے۔ اب سوال پیدا ہوا۔ کہ چوتھی قوم کون تیار ہوگی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُن کے بعد اللہ تعالیٰ نے برعظیم پاک و ہند کے باشندوں کو منتخب فرمایا۔ اور انہیں اس خدمت کے لئے تیار کرنے کا انتظام فرمایا۔

یہ حالات تھے۔ کہ ربوبیت خداوندی نے ایک کرشمہ دکھایا۔ اور اسی دہلی کے اندر اورنگ زیب عالمگیر کی وفات سے چار سال پہلے ۱۷۰۳ء میں شاہ عبدالرحیم دہلوی کے گھر میں جن کا ذکر اوپر ہوا ایک نامور فرزند پیدا ہوا۔ جو اس دور کا امام بننے والا تھا۔ اور جسے دنیا حکیم الامت، حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے نام سے یاد کرتی ہے۔

یہ اٹھارہویں صدی عیسوی کی ابتدا تھی۔ یہ صدی تین بڑی خصوصیات کی وجہ سے پچھلے شاہی دور سے جدا ہوگئی اور اس سے تاریخ عالم میں نئے دور کا آغاز ہوا وہ خصوصیات حسب ذیل ہیں

۱۔ مشین کی ایجاد

کارخانے قائم ہوئے صنعتی انقلاب آیا معاشرہ دو طبقوں سرمایہ دار اور مزدور ـــــ میں تقسیم ہوا اور دولت کی تقسیم ناہموار ہوگئی۔ ایک طبقے نے ناداری کی وجہ سے اور دوسرے نے عیاشی کے باعث اخلاق تباہ کرلیئے۔ اور اپنی اور دوسروں کی بھلائی سے بے خبر ہوگئے گویا مشین کی ایجاد نے انسانی معاشرت، معاشیات اور اخلاقیات کو بُری طرح متاثر کیا۔ اور اس سے بیشمار پیچیدہ مسائل پیدا ہوگئے۔

۲۔ جمہوری طرز حکومت

شاہی نظام بوسیدہ ہوگئے۔ عوام پر ظلم بڑھ گیا تو انہوں نے اُن کے خلاف انقلابات برپا کئے۔ اور قومی جمہوری حکومتوں کی داغ بیل ڈالی گئی اس طرح سیاسیات میں تبدیلی آئی۔ اور طریق حکومت بالکل بدل گیا

۳۔ سائنس کی ترقی

سے انسان کی عقل میں وسعت پیدا ہوئی۔ اور اب وہ ہر معاملے پر سائنٹفک انداز میں غور کرنے لگا۔ جو باتیں درست ثابت نہ ہوئیں یا عقل میں نہ آئیں۔ انہیں اُٹھا کر پھینک دیا گیا اس طرز تحقیق سے مذہبی اعتقادات و اعمال پر بھی زد پڑی۔ نتیجہ یہ نکلا۔ کہ عموماً لوگوں پر مذہبی دباؤ ڈھیلا پڑ گیا اور مذہب کی ضرورت ہی میں شک بلکہ اس سے انکار کرنے لگ گئے۔ اس لئے ضروری ہوا کہ دین کو عقل سے ثابت کرکے دکھایا جائے۔

غرض برعظیم پاک و ہند کے خصوصی حالات ایک طرف تھے۔ اور عالم انسانیت کے حالات دوسری طرف۔ اور مقصود یہ تھا۔ کہ اس دور میں بھی اسلام کو غالب کرکے دکھایا جائے۔ ان حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لئے عنایت الٰہی نے حضرت امام ولی اللہ دہلوی کو پیدا فرمایا اور بقول اُن کے اس آخری دور کا

افتتاح اُن کے ہاتھ پر کرایا۔ اور اس کی امامت و قیادت کا عہدہ جلیلہ انہیں عطا فرمایا۔

امام صاحب کی ولادت ۱۴ر شوال ۱۱۱۴ھ مطابق ۲۱ر فروری ۱۷۰۳ء کو ہوئی پانچویں سال میں اُن کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا ـــــ سات سال کی عمر میں قرآن حکیم حفظ کرلیا ـــــ پندرہ سال کی عمر میں سارا نصاب تعلیم ختم کرلیا۔ اور اپنے والد کی وفات تک مطالعے اور عبادت میں مشغول رہے۔ پھر اپنے والد کے مدرسہ رحیمیہ میں سند تدریس پر بیٹھے۔ اور بارہ سال پڑھاتے رہے ۲۸ سال کی عمر میں ۱۷۳۱ء میں سفر حجاز کیا۔ حج کی سعادت سے مشرف ہوئے اور علم حدیث کی سند بھی حاصل کی۔ حرمین شریفین میں جو فیوضات ہوئے انہیں آپ نے ایک کتاب میں جمع کر دیا۔ جس کا نام "فیوض الحرمین" ہے۔ اس میں لکھتے ہیں کہ میں نے ایک کشف دیکھا۔ کہ میں "قائم الزمان" ہوں۔ اور اس سے مراد یہ ہے کہ مجھے نظام خیر پیدا کرنے کے لئے "جارحہ" (آلہ) بنایا ہے۔ پھر آپ ایک کافر بادشاہ کو قتل کرتے ہیں۔ جس نے اجمیر پر قبضہ کر لیا تھا۔ پھر لوگ پوچھتے ہیں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے؟ وہ فرماتے ہیں کہ فَكُّ كُلِّ نظامٍ (تمام (بوسیدہ) نظاموں کو توڑ دو) یہ کشف آپ نے ۲۱ر ذی قعدہ ۱۱۴۴ھ مطابق ۵ر مئی ۱۷۳۱ء کو دیکھا۔ اور یہی تاریخ آپ کی انقلابی تحریک کی بنیاد ہے آپ نے دیکھا۔ کہ اس تحریک کو عرب ممالک میں رہ کر نہیں چلایا جا سکتا اور برعظیم پاک و ہند کی سرزمین ہی اس کے لئے موزوں ہے۔ اس لئے آپ واپس وطن تشریف لائے۔ اور اس تحریک کا فکر اور فلسفہ مدوّن کیا آپ نے سب سے پہلے قرآن حکیم کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا کیونکہ اُنہوں نے دیکھا کہ اب عوامی دور آنے والا ہے اور عوام کو قرآن حکیم کے علم اور حکمت سے آگاہ ہونا چاہئے یہ پہلا ترجمہ تھا۔ اردو زبان میں ترجمے آپ کے بعد آپ کے بیٹوں شاہ عبدالقادر اور شاہ رفیع الدین نے کئے تھے آپ نے اپنے فکر کی وضاحت کے لئے بیشمار کتابیں لکھیں۔ جن میں سب سے زیادہ مشہور "حجۃ اللہ البالغہ" ہے۔ اور اپنے شاگردوں کے ذریعے ملک میں کئی مراکز قائم کئے

اس علمی کارنامے کے علاوہ آپ کو ایک سیاسی کارنامہ بھی کرنا پڑا یہ آپ کے ابتدائی کشف کی تعبیر تھی۔ آپ کی زندگی کے آخری ایام میں مرہٹوں نے دہلی پر قبضہ کرنا چاہا۔ امام صاحب نے سوچا کہ اگر دہلی مرہٹوں کے قبضے میں چلی گئی۔ تو پھر اسلامی حکومت نہیں قائم ہوسکے گی۔ اس لئے دہلی کو بچانا چاہئے۔ یہاں کوئی طاقت نہیں تھی۔ چند ایک نواب تھے۔ جنہیں امام صاحب نے لکھا۔ کہ تم اپنی فوجیں لے کر آجاؤ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں دیکھ چکا ہوں کہ فتح ہماری ہوگی۔ اور ادھر احمد شاہ ابدالی والئے افغانستان کو طویل خط لکھ کر دعوت جہاد دی۔ چنانچہ پانی پت کے میدان میں سب فوجیں جمع ہوئیں اور مرہٹوں کو بُری طرح شکست دی گئی۔ تاریخ میں یہ پانی پت کی تیسری لڑائی کہلاتی ہے۔ یہ واقعہ ۱۷۶۱ء کا ہے۔ اس کے دو سال بعد امام صاحب نے انتقال فرمایا۔

اس کے بعد تحریک ولی اللہی کی قیادت آپ کے نامور فرزند حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے سپرد ہوئی۔ انہوں نے ساٹھ سال مدرسہ رحیمیہ میں اپنے والد کی جگہ درس دیا۔ اور بکثرت علماء پیدا کیے۔ اور اپنے والد کے فکر کو عوام تک پہنچایا۔ اس کے علاوہ حضرت سید احمد بریلوی کی امارت میں تحریک جہاد کا پروگرام بنایا۔ اور اور اُن کے ساتھ اپنے بھتیجے شاہ اسمٰعیل شہید اور داماد مولانا عبدالحی کو لگایا۔ مجاہدین نے پشاور کا علاقہ سکھوں سے فتح کرکے وہاں خلافت راشدہ کی طرز پر حکومت قائم کی۔ پھر بالاکوٹ کے مقام پر سکھوں سے آخری لڑائی ہوئی اور وہاں دونوں بزرگ یعنی حضرت سید احمد اور شاہ اسمعیل بہادروں کی طرح لڑ کر شہید ہوگئے۔ یہ واقعہ ۶ر مئی ۱۸۳۱ء کا ہے۔

تحریک ولی اللہی ۵ر مئی ۱۷۳۱ء کو شروع ہوئی۔ اور اس کا پہلا سو سال کا دور ۱۸۳۱ء کو پورا ہوا۔ اس دور میں تحریک جہاد منظم کی گئی اور برعظیم میں صحیح اسلامی حکومت قائم کرنے کے لئے مخالف طاقتوں سے جنگ کی گئی

اس کے بعد ۱۸۵۷ء میں کچھ کوشش کی گئی۔ لیکن وہ کامیاب نہ ہوسکی پھر دوسرے دور کا پروگرام بنایا گیا۔ کہ بیرونی اسلامی حکومتوں کی مدد سے آزادی کے لئے کوشش کی جائے چنانچہ افغانستان اور ترکی سے تعلقات قائم کئے گئے اور پہلی جنگ عظیم کے موقع پر ۱۹۱۵ء میں امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی کو اُن کے اُستاد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے کابل بھیجا۔ اور خود مکہ مکرمہ گئے۔ تاکہ ترکی حکومت سے بات چیت کریں وہ تو شریف مکہ کی سازش سے گرفتار ہوگئے اور انہیں انگریزوں نے جزیرہ مالٹا میں قید رکھا۔ جنگ ختم ہوئی۔ تو رہا کئے گئے اور واپس آکر فوت ہوگئے۔ لیکن مولانا عبیداللہ سندھی سات سال کابل میں رہے ـــــ امیر امان اللہ خان سے انگریزوں کے خلاف ایک جنگ کروائی جس کا فائدہ افغانستان کو یہ ملا۔ کہ اسے استقلال نصیب ہوگیا۔ ۱۹۲۱ء میں ترکی نے خلافت چھوڑ دی۔ اور اب اُس سے کسی قسم کی مدد ملنے کا سوال ہی ختم ہوگیا۔ تو مولانا سندھی ۱۹۲۲ء میں روس چلے گئے۔ وہاں اُن کا لادینی معاشی انقلاب دیکھا۔ انہوں نے اس کے مقابلے میں فلسفہ ولی اللہی پیش کیا۔ جو معاشی مسائل کو اشتراکیت سے بہتر حل کرتا ہے۔ اور لادینیت کے غیرفطری نظریے کو قبول کرنے سے بچاتا ہے۔ پھر آپ ترکی آئے اور وہاں ۱۹۲۴ء میں اردو میں اور ۱۹۲۶ء میں انگریزی میں اپنی ذمہ داری پر تیسرے دور کا پروگرام شائع کیا۔ دوسرا دور جو ۱۸۳۱ء سے شروع ہوا تھا۔ تقریباً سو سال پورا کرکے اس پروگرام کی اشاعت پر ختم ہوگیا۔ اس دور کی خصوصیت یہ تھی۔ کہ بیرونی اسلامی طاقتوں سے مدد لے کر آزادی حاصل کرنے کے لئے جدو جہد کی گئی۔

مولانا سندھی نے تیسرے دور کے پروگرام میں اس امر کی وضاحت کی کہ آزادی حاصل کرکے برعظیم کو تقسیم کیا جائے کیونکہ ہندومسلم تنازعے کا یہی واحد حل ہے۔ اوپر شمالی علاقہ جس میں سندھ بلوچستان۔ سرحد، پورا پنجاب، کشمیر اور اس کے ساتھ اجمیر، دہلی اور آگرہ کا علاقہ بھی شامل ہے۔ اور اس کے علاوہ پورا بنگال اور وہ علاقے جو اپنی مرضی سے شامل ہوں۔ مسلمانوں کے حوالے کئے جائیں غرض تیسرے دور میں حصول آزادی کے

(باقی ص … پر)

جلسۂ تقسیم اسناد

کی تقریب پر

حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مدظلہ العالی کی تقریر

(گذشتہ سے پیوستہ)

بندوں کی شکرگذاری بھی درحقیقت خدا ہی کی شکرگذاری ہے ——— کیونکہ ہر نعمت اللہ ہی نے دی ہے جس سے کہ بندوں نے بانٹا ———

غرض شکر، حمد اور ثناء اللہ کی انسان کا اعلیٰ ترین فریضہ ہے۔قرآن کریم نے اپنے آغاز میں اس کا اشارہ کر دیا اور انتہا میں اشارہ کیا کہ جب آدمی نعمتیں پائے گا تو نعمتیں چھیننے کے بھی اوقات ہوتے ہیں ——— آفات کے بھی اوقات ہوتے ہیں ——— ان میں اللہ سے پناہ مانگو ——— مصائب میں بھی پناہ ——— بلیّات میں بھی پناہ ——— بیماریوں سے بھی پناہ مانگو ——— غرضیکہ شیطان سے بھی، دجّال سے بھی ——— سب چیزوں سے پناہ مانگنی سکھلائی گئی ———

ظاہر ہے کہ جو بندہ ہر وقت شکرگذار رہے اور ہر وقت اللہ کی پناہ میں آتا رہے اُس سے زیادہ محفوظ کون بندہ ہوگا ——— اور جو بندہ شکرگذار نہ ہو اور پناہ بھی نہ ڈھونڈے خدا کی تو اس کو ہر وقت مصیبتیں گیند کی طرح اچھالتی رہتی ہیں اور وہ لڑھکتا رہتا ہے ——— تو محفوظ وہی رہے گا جو شکر ادا کرے، اللہ کی پناہ میں آجائے اور مصائب سے بچے ——— مصیبتوں سے بچنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اسے کبھی بخار نہ آئے ——— کبھی اُسے نزلہ اور کھانسی نہ ہو کبھی اُسے کوئی تکلیف نہ ہو ——— مصیبت سے بچنے کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ اس کا قلب اتنا مطمئن اور مگن ہو کہ ہزاروں مصیبتیں بھی آئیں اور قلب اس کا اثر نہ لے ——— تو مصیبت اور نعمت قلب کی صفت ہے ——— اگر انسان پراگندہ خاطر بن گیا تو وہ مصیبت زدہ ہے ——— اور اگر ہزاروں مصیبتیں اِرد گرد منڈلا رہی ہیں۔ اور قلب اس کا مطمئن اور مگن ہے۔ تو ذرّہ بھر بھی مصیبت زدہ نہیں ——— مصیبت کے معنیٰ یہ نہیں ہیں کہ اسباب مصیبت جمع ہو جائیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس سے قلب اثر پذیر ہو جائے ——— مجھے اس وقت حکایت یاد آئی ہے ——— موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ہے ——— علمائے اسلام میں ایک بہت بڑے عالم گذرے ہیں ——— شیخ عبدالکریم جیلی ——— یہ بہت بڑے محقق ہیں۔ اور جیسے کہ صوفیاء میں شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اسی انداز سے وہ بھی ہیں ——— بہت بڑے بڑے حقائق انہوں نے ذکر کئے ہیں ——— انہوں نے کتاب لکھی ہے "الانسان الکامل" ——— اس میں تمام انسانی کمالات کی انہوں نے صورتیں پیش کی ہیں ——— اور لکھا ہے کہ تین صورتوں میں انسان کامل بن سکتا ہے ——— اس میں ایک واقعہ نقل کیا ہے افلاطون کے بارے میں ——— افلاطون کو ہم تو یہی سمجھتے تھے کہ یونان کا ایک حکیم ہے ——— مشہور حکیم ——— وہ ذکر کرتے ہیں کہ میں افلاطون کی قبر پر گیا تو وہ قبر انوار و برکات سے بھری ہوئی تھی ——— اس سے معلوم ہوتا ہے کہ افلاطون کوئی مقبولانِ بارگاہِ الٰہی میں سے ہوگا ——— واللہ اعلم ——— بہرحال انہوں نے افلاطون کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ اس نے زمانہ پایا ہے موسیٰ علیہ السلام کا ——— لیکن اس کا تعارف نہیں تھا موسیٰ علیہ السلام سے اور نہ موسیٰ علیہ السلام پہچانتے تھے کہ یہ یونان کا حکیم ہے ——— کسی موقع پر باہم ملاقات ہوئی ——— مڈبھیڑ ہوئی ——— اِدھر سے موسیٰ علیہ السلام تشریف لا رہے تھے اُدھر سے افلاطون ——— ملاقات ہوئی تو افلاطون سمجھ گیا کہ کوئی بڑی شخصیّت ہے ——— یہ تو نہیں جانتا تھا کہ یہ پیغمبر ہے مگر چہرہ کا جلال اور رُعب اور آثارِ نبوّت دیکھ کر یہ ضرور سمجھ گیا کہ کوئی بڑی شخصیّت ہے ——— تو آپ اور افلاطون نے مصافحہ کیا اور یہ کہا کہ مجھے معلوم ہوتا ہے ——— اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی شخصیت کوئی بہت بڑی شخصیّت ہے ——— اور علم و فضل اور حکمت آپ کے چہرہ پر برس رہا ہے ——— میرا ایک سوال ہے ——— مَیں برسوں سے اُلجھا ہوُا ہوں ——— بڑے بڑے حکماء سے مَیں نے سوال کیا مگر کوئی جواب نہیں دے سکا ——— مجھے امید ہے کہ آپ جواب دے سکیں گے۔

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ——— کیا سوال ہے؟ اس نے کہا۔ سوال یہ ہے کہ اگر آسمان کو کمان فرض کیا جائے اور مصیبتیں جو برس رہی ہیں آسمان سے انہیں تیر فرض کیا جائے اور اللہ میاں کو تیر چلانے والا فرض کیا جائے تو شکل یہ بنتی ہے۔ کہ اللہ میاں آسمان کی کمان سے مصیبتوں کے تیر چلا رہے ہیں۔ تو پناہ کی صورت کیا ہے؟ کہاں پناہ لے آدمی ——— کس طرح سے بچے ان چیزوں سے؟

یہ چاہتا ہوں میں جواب ——— خدا تیر چلا رہا ہے، آسمان کمان ہے، مصیبتوں کے تیر برس رہے ہیں۔ تو ان مصیبتوں سے بچنے کی صورت کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ بظاہر تو کوئی صورت معلوم نہیں ہوتی ——— عقل تو یہی کہے گی کہ کوئی شکل نہیں بچنے کی۔ اس لئے کہ اول تو مصیبتیں انسان کے جگر میں پیوست ہیں ——— کہاں تک بچے گا انسان ——— لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ

فِی کَبَدٍ - پیدا ہی کیا گیا ہے انسان مصیبتوں کے لئے ـــــ لیکن اگر کوئی تھوڑا بہت بچ بھی جائے تو آسمان کی کمان کے نیچے سے نکل کر کہاں چلا جائے گا آدمی ـــــ اگر مان لو کہ کوئی رستہ نکل آیا ہے ـــــ آسمان سے نکل کر بھاگ گیا ہے آدمی تو خدا کی حکومت سے نکل کر تو کہیں نہیں جا سکتا ـــــ جب تیر چلانے والے اللہ میاں ہیں تو ان کے تیر سے کیسے بچ سکے گا آدمی ـــــ تو عقل تو یہی فتویٰ دیگی کہ کوئی صورت نہیں بچاؤ کی ـــ تو افلاطون نے عقلاء سے، عقلمندوں سے، دانش مندوں سے، حکماء سے پوچھا۔ سب نے کہا کوئی صورت نہیں بچنے کی۔ تو اس نے یہی سوال کیا موسےٰ علیہ السلام سے ـــــ

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ بڑی آسان بات ہے ـــــ بچنے کی صورت یہ ہے کہ جب تیر چلانے والا تیر چلائے تو تیر چلانے والے کے پہلو میں آ کھڑا ہو آدمی ـــــ اُسے تیر لگے گا ہی نہیں ـــــ

یہ ہے بچاؤ کی صورت ـــــ تو اللہ کے پہلو میں آ جائے ـــــ اور اللہ کا پہلو کیا ہے ـــــ اللہ تعالےٰ تو جسم سے پاک اور بری ہیں ـــــ

اللہ کا پہلو ہے ذکر اللہ اور یادِ خداوندی ـــــ یعنی جتنا کوئی شخص ذکرِ الٰہی کرتا جائے گا مصائب سے اُسے نجات ہوتی جائے گی ـــــ یہ مطلب نہیں مصائب سے نجات ہونے کا کہ ذکر کرنے والے کو بیماریاں نہیں آئیں گی اُسے مصائب نہیں آئیں گے ـــــ بلکہ حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جتنا زیادہ ذکر کرنے والا ہے مصائب اُس پر زیادہ ہجوم کرتے ہیں ـــــ

حدیث:۔ اَشَدُّ الْبَلَاۤءِ عَلَی الْاَنْبِیَاۤءِ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ۔

ترجمہ:۔ سب سے زیادہ مصیبتیں آتی ہیں انبیاء علیہم السلام کے اوپر ـــــ اور پھر جو جتنا مشابہ ہے انبیاء علیہم السلام کے وہ اتنا ہی زیادہ مصیبت زدہ ہوگا۔

نزدیکاں رابیش بود حیرانی

جو جتنا مقربانِ بارگاہِ حق ہونگے مصائب ان پر زیادہ ہوں گے ـــــ حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے آپ سے محبت ہے" ـــــ بعض اصحابہ نے بھی یہی عرض کیا کہ "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! ہمیں آپ سے محبت ہے" ـــــ فرمایا۔ "سوچ سمجھ کے کہو ـــ کیا کہتے ہو؟ بہت بڑا دعویٰ کر رہے ہو ـــ بڑی ذمہ داری لے رہے ہو ـــــ"

عرض کیا۔ "واقعہ یہی ہے یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ سے محبت ہے"۔

فرمایا۔ "اگر ہم سے محبت ہے تو تیار ہو جاؤ فقر و فاقہ کے لئے، مصیبتوں کے لئے اور غم و الم کے لئے" اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جتنے اولیاء ہیں ـــــ اور جتنے مقربانِ بارگاہِ الٰہی ہیں ـــــ دنیا کے مصائب ان پر زیادہ آتے ہیں تو اسی لئے یہ جو کہا موسیٰ علیہ السلام نے کہ جو اللہ کے پہلو میں آ جائے گا ـــــ ذکر اللہ میں آ جائے گا، مصیبتوں سے بچ جائیگا۔ ـــــ اس کا یہ مطلب نہیں ـــــ اس کو بیماری نہیں آئے گی ـــ اس کو غم نہیں آئے گا ـــــ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے۔ قلب اتنا مطمئن ہوگا کہ اگر ہزاروں مصیبتیں بھی آئیں قلب کے اوپر تو کوئی اثر نہیں ہونے پائے گا۔ وہ ہشاش بشاش رہے گا۔

مصیبت اصل میں قلب کی صفت ہے، بخار کی صفت نہیں ـــــ بخار تو سبب مصیبت ہے ـــــ اگر دل اثر لے مصیبت کا تو مصیبت زدہ ہے اثر نہ لے تو نہیں ـــــ اس لئے فی الحقیقت نہ تو بیماری مصیبت ہے نہ ناداری اور مفلسی مصیبت ہے۔

دل کے اوپر اثر ہونا ـــ پراگندگی اور قلب میں بے چینی کا پیدا ہونا یہ ہے مصیبت ـــــ اگر بے چینی نہ ہو تو مفلسی کوئی مصیبت نہیں ـــــ

بہت سے اولیائے کرام نظر پڑینگے کہ ایک پائی بھی ان کے ہاتھ میں نہیں مگر بادشاہوں سے زیادہ مگن رہتے ہیں ـــــ ہزاروں اہل اللہ نظر پڑینگے کہ بیماریاں ان پر بے حد ہیں۔ مگر قلب ان کا ہشاش بشاش ـــــ ذرہ برابر ان پر اثر نہیں ـــــ ان کے واقعات میں لکھا ہے کہ خواجہ نظام الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایک تاجر دیوالیہ ہو گیا ـــــ اُس بیچارے کی دوکان وغیرہ سب تباہ ہو گئی۔ ہاتھ پلّے کچھ نہ رہا ـــــ گھر کا سامان بیچ بیچ کر کھانا شروع کر دیا۔ چند دن کے بعد وہ سامان بھی ختم ہو گیا۔ اُس کے گھر میں ایک باندی تھی ـــ وہ گیارہ برس کی بچّی تھی ـــــ اُس نے ارادہ کیا کہ اس کو فروخت کر دے ـــــ اُس لڑکی سے کہا "مَیں چاہتا ہوں تجھے فروخت کر دوں"۔ اُس نے کہا۔ کہ فروخت کرنے میں تو کوئی حرج نہیں ـــــ بہر حال آپ مالک ہیں ـــــ مگر مَیں یہ چاہتی ہوں کہ کسی دیندار کے ہاتھ فروخت کرنا تاکہ میرا دین نہ ضائع ہو ـــــ اُس نے کہا" اس زمانہ میں سب سے بڑے دیندار خواجہ نظام الدین دہلوی ہیں۔ مَیں ان کے ہاتھ فروخت کئے دیتا ہوں" ـــــ اُس نے کہا۔ "مجھے اعتماد نہیں ـــــ جب تک مَیں خود نہ دیکھ لوں کہ ہے بھی نظام الدین دیندار یا نہیں" ـــــ

اب وہ حیران ہوُا کہ اس لڑکی کی نگاہ میں حضرت نظام الدین بھی دیندار نہیں یا انہیں بھی پرکھنے کی ضرورت ہے تو اور کون ہوگا دنیا میں دیندار ـــــ بہت حیران ہوُا اور حضرت خواجہ صاحب کی مجلس میں بیٹھ گیا جا کر ـــــ خواجہ صاحب نے فرمایا۔ "بھئی! کیا حال ہے؟" عرض کیا "حضرت! ایک عجیب مصیبت میں مبتلا ہوں ـــــ میری ایک باندی ہے جسے فروخت کرنا چاہتا تھا ـــــ اُس نے مجھ سے یہ کہا کہ مجھے کسی دیندار کے ہاتھ فروخت کرنا ـــــ مَیں نے حضرت کا نام لیا۔ تو اُس نے مجھ سے کہا کہ مجھے یوں اعتماد نہیں ہوتا کہ جب تک مَیں خود نہ پرکھ لوُں کہ ہیں بھی دیندار کہ نہیں ـــــ اُسے تو آپ کے دین میں بھی شبہ ہے ـــ اور کہاں سے ایسا دیندار لاؤں جو بے شک و شبہ دیندار ہو۔"

فرمایا۔ "کیا ہرج ہے ـــ اُسے چھوڑ دو میرے یہاں ـــــ وہ پرکھ لے میرے دین کو ـــــ اگر واقعی مَیں دیندار ثابت ہوُا تو تم میرے ہاں اس کو چھوڑ دینا۔ مَیں خرید لوں گا" ـــــ وہ لڑکی لا کر چھوڑ دی گئی خواجہ صاحب

کے ہاں ـــ تین دن کے بعد جا کر تاجر نے لڑکی سے پوچھا کہ تم نے حضرت کو کیسا پایا یعنی خواجہ نظام الدین دہلوی کو ـــ اُس نے کہا۔ "مجھے تو شک ہے اس شخص کے دین میں ـــ میرے نزدیک یہ دیندار نہیں"

وہ حیران رہ گیا تاجر ـــ کہ جب خواجہ نظام الدین بھی دیندار نہیں تو اور دنیا میں کہاں سے دیندار آئینگے۔ اُس لڑکی سے کہا۔ "بھئی ـــ کیا علامت دیکھی تو نے؟"

اُس نے کہا۔ "دیندار کی پہلی علامت یہ ہے کہ اس کو لقمۂ حلال میسّر ہو ـــ میں دیکھتی ہوں یہاں لنگر کا کھانا پکتا ہے ـــ اور یہ مسکینوں کا حق ہے ـــ خواجہ نظام الدین کا کوئی چولھا الگ نہیں ـــ کوئی گھر الگ نہیں ـــ ظاہر ہے کہ اس میں سے وہ بھی کھاتے ہوں گے ـــ یہ ہے مسکینوں کا کا حق ـــ خواجہ نظام الدین مستحق نہیں ہیں اس غذا کے ـــ تو جس شخص کی غذا ہی حلال نہیں۔ وہ دیندار کیسے ہو سکتا ہے ـــ چہ جائیکہ اُسے بزرگ مانا جائے ـــ

دوسری بات یہ ہے ـــ دیندار وہ ہے ـــ تین دن نہ گذرنے پائیں کہ کوئی نہ کوئی مصیبت نہ آ جائے اس کے اوپر ـــ اس واسطے کہ حق تعالےٰ اس کی بدیوں کا کفارہ دنیا میں کرنا چاہتے ہیں تاکہ آخرت میں پاک صاف اٹھائیں ـــ دنیا میں مصائب ڈالتے ہیں کہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے ـــ وہ پاک بن جائے ـــ تو مومن کی شان یہ ہے۔ اُس کے اوپر تین دن نہ گذریں کہ کوئی نہ کوئی مصیبت ـــ کوئی غم ـــ کوئی فکر ایسا نہ طاری ہو جس سے کفارہ ہو ـــ اس کی مغفرت ہو ـــ تو میں دیکھتی ہوں کہ یہ شخص ہٹّا کٹّا ہے ـــ خواجہ نظام الدین نہ کبھی بیمار ہوا ـــ نہ کوئی غم نہ مصیبت ـــ یہ کیا دیندار ہے کہ جس کے اوپر کوئی مصیبت ہی نہیں آتی ـــ یہ تو عیش میں مبتلا ہیں ـــ

تیسری بات اُس نے کہی ـــ دینداری کی علامت یہ ہے کہ اس کو بُرا کہنے والے زیادہ ہوں ـــ بھلا کہنے والے کم ہوں۔ اس واسطے کہ وہ امر بالمعروف کرے گا۔ لوگوں کی طبیعت کے خلاف ہوگا ـــ لوگ مدِّ مقابل آئیں گے ـــ بُرا بھلا کہیں گے ـــ دشمن زیادہ ہوں گے دوست کم ـــ جو بہت سمجھدار ہوں گے وہ تو شکرگزار رہیں گے کہ بھئی نیک نصیحت کر رہا ہے ـــ لیکن جو جذباتی لوگ ہوں گے وہ یقیناً مقابلہ پہ آئیں گے اور مقابلہ کرینگے ـــ دیندار وہ ہے کہ جس کے دوست کم ہوں دشمن زیادہ ـــ مدّ مقابل زیادہ ہوں موافق کم ہوں ـــ تو لڑکی نے کہا ـــ میں دیکھتی ہوں نظام الدین کو کہ صبح سے شام تک کوئی اسے حضور کہتا ہے کوئی حضرت کہتا ہے، کوئی جناب عالی کہتا ہے ـــ بُرا کہنے والا ایک بھی معلوم نہیں ہوتا ـــ اس شخص میں مداہنت ہے اور یہ امر بالمعروف نہیں کرتا ورنہ لوگ دشمن ہوتے اس کے ـــ سچّی نصیحت کرنے والے کے مقابلہ پہ آتے ہیں لوگ ـــ

اب وہ بیچارہ تاجر حیران تھا کہ یا اللہ! ـــ ایسا دیندار میں کہاں سے لاؤں کہ جب خواجہ نظام الدینؒ بھی دیندار نہیں

خواجہ صاحب نے اس تاجر سے پوچھا "لڑکی نے کیا رائے قائم کی ہے میرے متعلق" ـــ تو اس نے کہا۔ "میں تو زبان سے کہہ بھی نہیں سکتا ـــ اس کی نظر میں آپ دیندار نہیں ہیں" ـــ فرمایا کہ کیا بات کہی اُس نے ـــ تاجر نے تینوں باتیں بیان کیں ـــ ایک تو دیندار کی شان یہ ہے کہ اُسے لقمۂ حلال میسّر آئے ـــ دوسرا اشکال یہ ہے کہ آپ پر مصائب نہیں آتے ـــ اور مومن کی شان یہ ہے کہ اُسے مصیبت آئے۔ تیسری بات اُس نے یہ کہی کہ آپ کی تعریفیں کرنے والے زیادہ ہیں اور برائیاں کرنے والے کم ہیں ـــ یہ علامت ہوتی ہے کہ مداہنت ہے ـــ سچائی میں بلاخوف لومۃ لائم نصیحت کرنے کی عادت نہیں ـــ فرمایا کہ اچھا تین دن اور چھوڑ دو اسے ـــ اس کے بعد جو رائے قائم کرے اس پر تم رائے قائم کر لینا۔ اُس نے تین دن پھر چھوڑ دیا۔

حضرت خواجہ صاحب نے اس لڑکی کو بلایا ـــ اپنا حجرہ دکھلایا ـــ اس حجرے میں دو تین گٹھے پڑے ہوئے تھے لکڑیوں کے ـــ فرمایا ـــ "ایک میں ہوں اور ایک میرا ساتھی ہے ـــ میں نے دن میں ایک وقت مقرر کر رکھا ہے کہ جنگل میں جاکر لکڑیاں کاٹ لاتا ہوں ـــ اور میرا ساتھی ہے وہ بیچتا ہے ـــ کسی دن وہ لکڑیاں کاٹ کے لاتا ہے میں بیچ آتا ہوں ـــ اس سے جو چار پانچ پیسے ملتے ہیں اس پر میری گذر اوقات ہے ـــ یہ چولھا بنا ہوا ہے ـــ لنگر کا ایک حبّہ بھی میرے اندر نہیں پہنچتا ـــ یہ ہے میری گذر اوقات کا ذریعہ ـــ لکڑیاں کاٹ کر میں لاتا ہوں تو ساتھی بیچتا ہے کبھی وہ کاٹتا ہے میں بیچتا ہوں ـــ تو میرا لنگر سے کوئی دخل نہیں ـــ یہ مسکینوں کا کھانا ہے ـــ

اُس نے کہا مجھے اس بارے میں اطمینان ہو گیا کہ تو دیندار آدمی ہے ـــ اُس کے بعد حضرت شیخؒ نے کمر کے اوپر سے کرتہ اٹھایا ـــ فرمایا "۳۲ برس سے ناسور ہے میری کمر میں ـــ اور ہر وقت کیفیت یہ ہے کہ جیسے سینکڑوں بچھو ڈنک مار رہے ہیں ـــ تو جو کہتی ہے تین دن نہ گذریں جو مصیبت نہ آئے ـــ تو مجھ پر تو ایک لمحہ نہیں گذرتا کہ مصیبت نہ ہو میرے اوپر ـــ ہر وقت ایک ٹیس لگی ہوئی ہے ـــ ٹیس اور چمک ہر وقت ہے کوئی منٹ خالی نہیں ہے" ـــ اُس نے کہا۔ "اب میری سمجھ میں آیا کہ تو دیندار ہے ـــ اس بارے میں مجھے اطمینان ہو گیا" ـــ اس کے بعد شیخؒ نے کہا ـــ کہ میرے ساتھ چل ـــ لکڑیوں کا گٹھا سر پر رکھ کر ایک غیر معروف بازار میں پہنچے ـــ دیکھنے کے لئے ـــ رات کا وقت ـــ لوگوں نے آوازے کسنے شروع کئے ـــ یہ ہیں اس دور کے ولی ـــ کہ لڑکیاں پیچھے پیچھے جا رہی ہیں اور راتوں کماتے ہیں پیسے ـــ صبح کو پیر بن کر بیٹھ جاتے ہیں دنیا کے آگے ـــ یہ حال ہے ـــ دنیا میں مکّار ہو گئے ہیں لوگ ـــ کہتے ہیں اپنے کو ولی اور ہیں حقیقت میں مکّار ـــ دن میں مُرید کرتے ہیں اور رات کو پیسے کماتے پھرتے ہیں ـــ کہیں لکڑیاں بیچ کے کہیں یہ کر کے ـــ جس کی جو آواز اٹھی اُس نے وہ کہا ـــ کسی نے بُرا کہا ـــ کسی نے گالی دی ـــ کسی نے مکّار کہا ـــ

شیخؒ نے ہنسی سے کہا ـــ "سنتی جا ـــ سب حضرت ہی حضرت کہنے والے ہیں یا مکّار کہنے والے بھی ہیں ـــ لڑکی نے کہا کہ اس بارے میں بھی مجھے اطمینان ہو گیا"

(باقی آئندہ شمارے میں)

قاری فیوض الرحمن مینجر مکتبہ حافظ جویلیاں (ہزارہ)

حقوقِ والدین اور اُن کا ادب

اس دنیا میں انسان کا سب سے پہلا اور سب سے بڑا تعلق ماں باپ سے ہے مذہب اسلام نے اللہ تعالیٰ کے حق کے بعد سب سے بڑا ماں باپ ہی کا حق بتلایا ہے۔ ارشاد باری ہے۔

وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ (سورۃ بنی اسرائیل رکوع ۳)

ترجمہ۔ اور تیرے رب نے حتمی حکم دیا ہے۔ کہ اُس کے سوا تم کسی کی عبادت اور بندگی نہ کرو۔ اور ماں باپ کے ساتھ اچھائی کرو، اگر اُن میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو اُن کو اُونہہ بھی نہ کہو، اور اُن سے خفگی کی بات نہ کرو۔ اور اُن سے ادب و تمیز سے بولو، اور خاکساری اور نیازمندی کے ساتھ اُن کی اطاعت کرو۔ اور اُن کے حق میں خدا سے اس طرح دعا بھی کرتے رہو، کہ اے پروردگار! تو ان پر رحمت فرما، جس طرح انہوں نے بچپن میں مجھے پالا اور نہایت شفقت سے پرورش کیا"۔

بزرگو! اس آیت کے مطالعہ کے بعد ہمیں یہ سوچنا چاہئیے۔ کہ ہم کہاں تک خدا تعالیٰ کے ارشاد پر عمل کرتے ہیں کیا حقیقتاً ہم بھی والدین کی اُسی طرح اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں۔ جس طرح کا ہمیں دربار ایزدی اور دربار رسالت سے حکم ہوا ہے۔ تو اُس کا جواب میرے خیال میں نفی میں ہوگا الا ماشاء اللہ۔

اور یہ بھی یاد رہے۔ کہ یہاں پر کوئی تخصیص نہیں کہ والدین مُسلم ہوں۔ تو اُن کی اطاعت کرو اور اگر وہ مسلمان نہ ہوں تو اُن کی نافرمانی کرو۔ دنیاوی معاملات میں والدین کی ہر صورت اطاعت ضروری اور واجبی ہے اگر دینی معاملات میں وہ حائل ہوں تو پھر اُن کی اطاعت ضروری نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حق والدین کے حق سے مقدم ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے سورۃ لقمان میں اس طرح تصریح فرمادی

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓي اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۡ

ترجمہ۔ اگر بالفرض کسی کے ماں باپ کافر مشرک ہوں، اور وہ اولاد کو بھی کفر و شرک کے لئے مجبور کریں تو اولاد کو چاہئیے کہ اُن کے کہنے سے تو کفر و شرک نہ کرے لیکن دنیا میں اُن کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اُن کی خدمت پھر بھی کرتی رہے" از مولانا منظور نعمانی

قرآن مجید کے علاوہ احادیث میں بھی ماں باپ کی خدمت و اطاعت کی سخت تاکید فرمائی گئی ہے۔ اور اُن کی نافرمانی اور ایذا رسانی کو سخت گناہ تبلایا گیا ہے۔

(۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْكَبَائِرُ الْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَالْيَمِيْنُ الْغَمُوْسُ (متفق علیہ)

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کبیر گناہ یہ ہیں۔

۱۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا
۲۔ ماں باپ کی نافرمانی کرنا
۳۔ کسی انسان کو قتل کرنا
۴۔ جھوٹی قسم کھانا (متفق علیہ باب الکبائر)

۲۔ ایک اور حدیث میں آپ نے فرمایا کہ وہ شخص ہلاک ہوگیا کہ جس نے اپنے بوڑھے ماں باپ کا زمانہ پایا اور اُن کی خدمت کرکے اپنے آپ کو جنت کا مستحق نہ بنایا۔ بدبخت ہیں وہ لوگ جن کے والدین زندہ ہیں اور اُن کی خدمت سے محروم ہیں۔

۳۔ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ کہ اولاد پر والدین کے کیا حقوق ہیں؟ آپؐ نے فرمایا اولاد کی جنت اور دوزخ ماں باپ ہیں۔ یعنی اُن کی خدمت اور اطاعت سے جنت مل سکتی ہے اور اُن کی نافرمانی اور بدسلوکی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔

۴۔ آپؐ نے فرمایا جنت والدین کے قدموں کے نیچے ہے"۔

۵۔ آپؐ نے فرمایا ماں باپ کی رضامندی میں خدا کی رضامندی ہے اور ماں باپ کی ناراضگی میں اللہ کی ناراضگی ہے۔

مسلم شریف کی ایک اور حدیث نقل کی جاتی ہے اللہ کی شان کریمی کا اندازہ لگائیے۔

۶۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ وَّلَدٍ بَارٍّ يَنْظُرُ اِلٰی وَالِدَيْهِ نَظْرَةَ رَحْمَةٍ اِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ بِكُلِّ نَظْرَةٍ حَجَّةً مَّبْرُوْرَةً قَالُوْا وَاِنْ نَظَرَ كُلَّ يَوْمٍ مِّائَةَ قَالَ نَعَمْ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَاَطْيَبُ (رواہ مسلم)

ترجمہ۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب سرور دو عالمؐ نے ارشاد فرمایا۔ کہ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والا لڑکا یا لڑکی جتنی دفعہ بھی محبت اور عظمت کی نگاہ سے ماں یا باپ کی طرف نظر کرے تو اللہ تعالیٰ ہر دفعہ کے دیکھنے کے بدلے میں ایک مقبول حج کا ثواب اُس کے لئے لکھ دیتے ہیں"۔ لوگوں نے سوال کیا یا حضرتؐ! اگر وہ روزانہ سَو دفعہ دیکھے جب بھی ہر دفعہ کے دیکھنے کے بدلے میں اُس کو ایک مقبول حج کا ثواب ملیگا۔ حضورؐ نے فرمایا ہاں! اللہ بہت بڑا ہے اور بہت پاک ہے" مطلب یہ ہے کہ اُس کے ہاں کوئی کمی نہیں۔ وہ جس عمل پر جتنا چاہے ثواب دے سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کرنے کی توفیق دے آمین!

میاں غلام حسین صاحب ناظم انجمن خدام الدین۔ لاہور

ایمان اور اعمال صالح

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ o

ترجمہ:۔ البتہ جو لوگ یقین لائے اور کئے بھلے کام ان کو ثواب ملتا ہے جو موقوف نہ ہو۔

انسان کی نجات دو چیزوں ایمان اور اعمال صالحہ پر موقوف ہے۔ تنہا ایمان یا تنہا عمل نجات کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ البتہ اس قدر فرق ہے کہ رتبے میں ایمان کو عمل پر تقدم حاصل ہے ــــ لیکن عوام نے اعمال صالح کو بالکل پس پشت ڈال دیا ہے۔

قرآن کریم میں ایمان اور اعمال صالح دونوں کو انسان کی فلاح و کامیابی کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ جہاں کہیں ایمان کا ذکر آیا ہے اعمال صالح کا ذکر بھی ساتھ ہی کیا گیا ہے۔ اور جہاں جہاں بھی کسی کار خیر مثلاً انفاق فی سبیل اللہ کا حکم دیا گیا ہے یا بدنی اور مالی عبادا کی ترغیب دی گئی ہے۔ یا ذکر و مراقبہ اور نماز وغیرہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ وہاں لوگوں میں سے صرف ایمانداروں کو مخاطب کیا گیا ہے اور اعمال صالحہ کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان اسلام کا ایک بنیادی پتھر ہے اور اعمال صالحہ اس پر قائم شدہ عمارت۔ ایمان کے بغیر اعمال کو اللہ تعالےٰ کے ہاں قبولیت کا شرف حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن اعمال صالح کے بغیر ایمان بھی ایک درخت بے ثمر کی مانند ہے ــ کامیابی کا انحصار دونوں کے مجموعہ پر ہے۔

ایمان کی حقیقت

ایمان شرعی اصطلاح میں مندرجہ ذیل حقائق کے زبان سے اقرار کرنے اور دل سے تصدیق کرنے کا نام ہے۔

۱۔ وجود باری تعالےٰ کا اقرار و اعتراف

۲۔ تمام انبیاء و مرسلین کی تصدیق۔

۳۔ تمام کتب الہامیہ کا اقرار و اذعان۔

۴۔ وجود ملائکہ کو تسلیم کرنا۔

۵۔ قیامت یا روز جزا کا یقین۔

۶۔ مسئلہ تقدیر۔ یعنی اللہ تعالےٰ کی طرف سے نیکی اور بدی کا اندازہ۔

ان حقائق کے متعلق اعتقاد صحیح جس کو اصطلاح شرع میں ایمان کہتے ہیں انسان کا ایک اعلیٰ درجہ کا کمال ہے۔ جو روح کے بدن سے جدا ہونے کے بعد بھی ساتھ رہتا ہے۔ لیکن اعمال کا سلسلہ انسان کے آخری سانس کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے۔ اعمال صالح سے ایمان کی روشنی اور رونق حاصل ہوتی ہے اور اعمال بد سے اس کی رونق اور چمک کم ہو جاتی ہے۔

ایمان کے بعد دوسرا درجہ اعمال صالح کا ہے۔ یہ بڑا وسیع المعنیٰ لفظ ہے۔ اور ہر نیک کام اس میں شامل ہے۔ خواہ عبادت بدنی ہو یا مالی۔ یا نماز و خیرات وغیرہ ــــ ہر کام جو اللہ تعالےٰ کی رضا کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا جائے کار خیر ہے۔

ایمان قلبی کو خارجی تائید و توثیق کی ضرورت نہیں رہتی

کسی چیز کا پورا یقین ہو جانے کے بعد اس کے برخلاف عمل کرنا انسان کی فطرت کے خلاف ہے۔ ایمان جب قلب میں داخل ہو جاتا ہے تو اسلامی زندگی کی کسی راہ پر بھی چلنے کے لئے کسی عقلی دلیل کی ضرورت نہیں پڑتی داخلی ایمان کی طاقت بجائے خود اتنی زبردست ہوتی ہے کہ کسی خارجی تائید و توثیق کی قطعاً ضرورت نہیں رہتی اور دین کے معاملہ میں انسان اپنے باپ، بھائیوں اور بیٹوں، دوستوں اور رشتہ داروں میں سے صرف ان لوگوں کے ساتھ تعلق یا دوستی رکھتا ہے جو اللہ تعالےٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دوست رکھتے ہیں۔ ماحول اور معاشرہ کی شدید سے شدید مخالفت بھی راہ حق سے موڑنے کے لئے اسے مغلوب و متاثر نہیں کر سکتی۔

اس ایمان قلبی کا نمونہ دیکھنا ہو تو صحابہ کرام رض کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے انہوں نے وہ کارہائے نمایاں کر کے دکھائے جن کی دنیا مثال پیش نہیں کر سکتی۔ اور ان کے یہ کارنامے رہتی دنیا تک آنے والی نسلوں کے لئے مشعل ہدایت کا کام دیں گے۔ حق کی آواز جب ان کے دل کی گہرائیوں تک پہنچ گئی تو پھر مچھروں اور مکھیوں کی بھنبھناہٹ صداقت کی کڑک کو مغلوب نہ کر سکی۔

جب تک ایمان دل میں داخل نہ ہو اسلامی زندگی کا صحیح تصور پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہ ایمان باللہ اور آخرت پر یقین ہی ہے۔ جو انسان کو انسانیت کے دائرے میں جکڑے رکھتا ہے۔ اگر انسان کے دل سے اللہ تعالےٰ کی ہستی کا اقرار و اعتراف نکل جائے اور آخرت کا خوف بھی جاتا رہے تو انسان انسانیت کے حلقہ سے خارج ہو جاتا ہے ــ پھر وہ ایک دوپایہ حیوان رہ جاتا ہے اور شیر اور بھیڑیے سے زیادہ خونخوار ہو جاتا ہے۔

انسان کی عملی زندگی اس کے ایمان قلبی کا آئینہ ہے

اللہ تعالےٰ، اس کے رسولوں اور آخرت پر دل سے یقین راسخ ہو تو اس یقین کا اثر انسان کے اعمال و احوال میں ضرور ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ اور آدمی ہر شعبۂ زندگی میں اپنے افعال میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو مدنظر رکھتا ہے۔ دل انسان کے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جو ٹھیک ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور اگر بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ جب تک یہ درست نہ ہو اور خدا کی طرف متوجہ نہ ہو برکت و نورانیت پیدا ہی نہیں ہوتی۔

توجہ الی اللہ کا مطلب ہی یہی ہے کہ دل خدا کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اور قلبی توجہ خدا کی طرف ہو ہی نہیں سکتی۔ جب تک ایمان ہمارے قلب میں

داخل نہ ہو جائے ـــ جب ایمان ہمارے قلب میں داخل ہو جاتا ہے تو ہماری عملی زندگی ہر شعبۂ حیات میں شریعت کی پابند ہو جاتی ہے اور ہمارے ایمانِ قلبی کا آئینہ بن جاتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی پاکیزہ تعلیمات سے اپنے اپنے وقت میں لوگوں کے انکار کی وجہ ہی تھی۔ کہ ان کے دل اندھے تھے۔ دل کا آئینہ صاف نہ ہو تو انسان کوئی اثر قبول نہیں کرتا اور تاریکی ہی میں ٹامک ٹوئیاں مارتا رہتا ہے۔ دل کا بلب جب فیوز ہو جائے تو دنیا کی کوئی برقی رو اس میں روشنی پیدا کر ہی نہیں سکتی۔ دل کا بلب صحیح ہو تو اس سے وہ روشنی پیدا ہوتی ہے جو وہم و گمان سے بھی خارج ہے۔ اسی لئے اعمال صالح کا ظہور ہمارے ایمان قلبی پر منحصر ہے۔

ہماری بے عملی ہمارے ایمان کی کمزوری کا راز فاش کر دیتی ہے

یہ ایک حقیقت ہے کہ عمل میں کمی ایمان کی کمزوری کی وجہ سے ہوتی ہے اور اس سے کوئی ذی عقل انکار نہیں کر سکتا ـــ کسی حقیقت کا پورا پورا یقین ہو جانے کے بعد انسان کی فطرت کا تقاضا ہے کہ اعمال اس کے مطابق مرتب ہوں آگ کو جلانے والی یقین کر لینے کے بعد کوئی بے وقوف سے بے وقوف انسان بھی اس میں ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ لیکن نادان بچہ جو آگ کے جلا دینے والے وصف سے ناآشنا ہے ـــ بار بار اس میں ہاتھ ڈالنے کی کوشش کرے گا۔ اُس کا عمل صاف شہادت دیتا ہے کہ وہ اس حقیقت سے ناواقف ہے کہ آگ جلا سکتی ہے اور یہ کیفیت اس کی جہالت کی نشاندہی کرتی ہے۔

بعینہٖ اسی طرح ہماری بے عملی اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہے کہ ہم ایمان و اعتقاد کی دولت سے بے بہرہ ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ جزاء و سزا کا کوئی ضابطہ ہے۔ کوئی دوزخ کی آگ بھی ہے جو ایمان و عمل سے عاری انسانوں کے لئے تیار کی گئی ہے اور وہ اس آگ کا ایندھن بننے والے ہیں۔ بہرحال ہم کتنے ہی زبانی دعوے کریں کہ ہمیں خدا اور آخرت پر یقین ہے مگر زندگی کے مختلف شعبوں میں اعمال سے ہماری غفلت اور روگردانی ہمارے یقین کی کمزوری کا راز فاش کرتی چلی جاتی ہے ـــ

اگر ہمارے دل میں خدا کا خوف ہو اور یقین ہو کہ مرنے کے بعد اُس کے حضور میں پیش ہو کر اپنے اعمال کے لئے جوابدہ ہونا پڑے گا تو ناممکن ہے کہ انسان اُس پیشی کے لئے تیاری نہ کرے۔

ایمان و عمل اور اعتقاد کے فقدان کے سبب دل کی زمین بنجر ہو جاتی ہے جس کو کوئی بارش سیراب نہیں کر سکتی نہ پیغمبر کی دعوت اُسے نفع بخش سکتی ہے اور نہ کسی ناصح کی نصیحت کوئی فائدہ اسے دے سکتی ہے۔ جہاں سرے سے پیاس اور پانی کی طلب ہی نہ ہو وہاں پانی کے منافعے کیا ظاہر ہوں گے اور قسمت کے ہیٹوں کے لئے خضر کی رہنمائی بھی بے سود ہی ثابت ہو گی ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

اللہ تعالےٰ ہمیں ایمان کی دولت عطا فرمائے اور زشتیٔ اعمال و اعتقاد سے محفوظ رکھے اور آخرت کی فلاح و کامیابی سے سرفراز کرے۔

ضیاء الدین خطیب ٹیلیفون فیکٹری ھری پور (ھزارہ)

تذکرۂ موت

موت کا مسئلہ پوری انسانیت میں متفق علیہ ہے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر اب تک اور آئندہ قیامت تک نہ اس کا کوئی منکر ہوا ہے اور نہ ہو گا۔ لوگوں نے توحید، رسالت اور قیامت جیسے مسائل کا بھی انکار کیا ہے۔ لیکن موت کا ایک دہریہ اور ملحد مشرک بھی مُقر ہے۔

ہر بیماری کا علاج موجود ہے۔ لیکن موت۔ اس کا علاج نہ کسی ڈاکٹر، طبیب اور سائنسدان کے پاس ہے۔ اور نہ کوئی حکومت ہی اس کا تدارک کر سکتی ہے۔ اگر کوئی موت سے بھاگ کر جان کو بچانا چاہے تب بھی بچ نہیں سکتا سورہ جمعہ میں حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِیْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِیْكُمْ (سورۃ جمعہ پ ۲۸ رکوع ۱)

ترجمہ۔ آپ ان سے کہدیجئے۔ کہ جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تم کو آپکڑیگی

الموت قدح کل نفس شاربوھا
والقبر باب کل نفس داخلوھا

اگر کوئی انسان پختہ مکان اور قلعہ میں چھپ جانے کی تدبیر اختیار کرے۔ تب بھی موت سے بچ نہیں سکتا۔

اَیْنَمَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ ؕ

جہاں کہیں تم ہو گے موت تم کو آ پکڑے گی اگرچہ تم ہو مضبوط قلعوں میں

نیز یہ مسئلہ مغیبات خمسہ میں سے ہے۔ جس کا علم حق تعالیٰ شانہٗ کے پاس ہے۔

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ

ترجمہ۔ اور کسی جی کو خبر نہیں کہ کس زمین میں مرے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کو ہاذم اللذات فرمایا یعنی لذتوں کو قطع کرنے والی اس کو کثرت سے یاد کرنے کی تاکید فرمائی۔ اور موت کو واعظ فرمایا جیسے واعظ متنبہ کرتا ہے۔ اسی طرح آدمی کو متنبہ کرنے والی ہے۔ اکفی باالموت واعظام الترغیب والترہیب (جلد رابع)

سمجھدار کون ہے

عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پہنچا۔ اور میں دسواں تھا۔ یعنی نو صحابہ میرے سوا موجود تھے ایک انصاری نے کہا یا نبی اللہ سب سے زیادہ سمجھدار اور محتاط کون ہے۔ ارشاد فرمایا۔ جو سب سے زیادہ موت کو یاد رکھے۔

(باقی صـ۱۷ پر)

بچوں کے لئے

دُعا کی برکت

محمد افضل ——— بورسٹل جیل۔ لاہور

کہتے ہیں کہ خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں چالیس ڈاکو ایک جگہ جمع ہو گئے۔ اور ایک منظم گروہ کی صورت اختیار کرکے ڈاکے ڈالنے شروع کر دئیے۔ انہوں نے لوٹ مار سے لوگوں کا ناک میں دم کر دیا۔ آخرکار پولیس نے سب کو گرفتار کر لیا۔ ان میں سے بعض تو ضمانت پر چلے گئے۔ اور باقی کسی نہ کسی طرح پولیس کی نگرانی سے فرار ہوگئے۔ خلیفہ نے جب ان کے بھاگنے کی خبر سنی تو سب ڈاکوؤں کو دوبارہ گرفتار کرنے کا فوری حکم دیا۔ پولیس نے انتالیس ڈاکو گرفتار کر لئے۔ مگر کوشش کے باوجود چالیسواں ڈاکو نہ پکڑا گیا۔

دوسرے دن عید تھی۔ ایک سفید ریش بزرگ بچوں کے لئے سودا سلف لانے بغداد جا رہا تھا۔ چنانچہ پولیس نے اپنی ذمہ داری ختم کرنے کے لئے اسے گرفتار کر لیا۔ بزرگ نے ہرچند کوشش کی اور کہا کہ میں چور نہیں مگر پولیس نے ایک نہ سنی اور اسے جیل بھیج دیا۔

دوسرے ڈاکوؤں کے ورثاء نے درخواست گذاری کہ عید کے لئے انہیں ضمانت پر رہا کر دیا جائے۔ جو منظور کر لی گئی اور انتالیس ڈاکو ضمانت پر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور بوڑھا بے چارہ اکیلا جیل میں رہ گیا۔ اس کے بچے عید کے سامان اور اپنے باپ کا انتظار کرتے کرتے سو گئے۔ ادھر بوڑھا سخت مضطرب اور بے چین تھا۔ اس نے اطمینان اور دل کی تسلی کے لئے تیمم کیا۔ اور کوٹھڑی کے ایک کونے میں چادر بچھا کر خدا تعالےٰ کے سامنے سربسجود ہو کر عرض کرنے لگا۔ ”اے خداوند کریم! تو جانتا ہے۔ میں چور نہیں۔ میں بچوں کے لئے عید کا سامان خریدنے جا رہا تھا۔ صبح عید ہے میرے بچے کیا کریں گے ان کے پاس کھانے پینے کو بھی کچھ نہیں۔ اس وقت تیرے سوا کسی دوسرے کو میرے حال کی خبر نہیں اور نہ ہی کوئی میرا ضمانتی ہے۔ اب تو ہی میرے حال پر رحم فرما۔ بے شک تو ارحم الراحمین ہے۔“

خلیفہ ہارون الرشید اپنے محلات میں استراحت فرما رہا تھا وہاں چڑیا بھی دم نہ مار سکتی تھی۔ اچانک اس کے کمرے میں روشنی پیدا ہوئی اور اس نے ایک آواز سنی ”اے رشید! ہر ایک نے اپنے قرابت دار کی ضمانت دے دی۔ اس غریب بوڑھے کا کوئی ضمانتی نہیں پس اس کی ضمانت ہم دیتے ہیں۔“

یہ سننا تھا کہ ہارون الرشید کے بدن پر لرزہ طاری ہو گیا۔ وہ سیدھا داروغہ جیل کے پاس پہنچا۔ اسے ساتھ لے کر جیل میں گیا اور کوٹھڑیوں میں تلاش شروع کر دی۔ دیکھا کہ ایک کوٹھڑی میں وہ بوڑھا ابھی تک محو دعا ہے۔ خلیفہ نے اُس کے پاؤں پکڑ لئے۔ اور عرض کیا۔ ”بڑے میاں! آپ ابھی باہر چلیں۔ آپ کی ضمانت تو آسمان سے آگئی۔“ سبحان اللہ۔

اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ

”جب دعا کرنے والا دعا کرتا ہے۔ تو میں اسے قبول کر لیتا ہوں۔“ (القرآن)

بچّو! دعا کی بڑی برکتیں ہیں۔ خلوص دل سے مانگی ہوئی دعا کبھی رائگاں نہیں جاتی۔ اور اللہ اپنے دروازے سے مانگنے والوں کو کبھی مایوس نہیں کرتا۔ ہمیں چاہئے کہ حاجات کے پورا ہونے کے لئے صرف اُسی کے آگے ہاتھ پھیلائیں اور اسی کے حضور گڑگڑا گڑگڑا کر لجاجت سے التجا کریں کہ وہی انسان کی مشکلیں آسان کرنے والا ہے۔

حضرت مولانا محمد صاحب انوری مدظلہ

خلیفہ خاص قطب العالم حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری دامت برکاتہم دو تین ماہ سے شدید عوارضِ قلب و فالج وغیرہ میں مبتلا ہیں

قارئین کرام سے استدعا ہے کہ وہ خاص طور پر خشوع خضوع سے مولانا موصوف کے لئے صحت عاجلہ و کاملہ کی دعا فرمائیں۔

اللہ رب العزت ایسے بزرگوں کا سایہ تادیر سلامت رکھے تاکہ دینِ حق کا چراغ روشن رہے آمین۔ (ادارہ)

بقیہ تذکرہ موت ص ۱۶

اور سب سے زیادہ اس کی تیاری کرے

ابو حامد لفاف کہتے ہیں۔ کہ تذکرہ موت سے تین چیزوں کا اکرام ہوتا ہے ۱۔ توبہ جلدی نصیب ہوتی ہے۔ ۲۔ مال میں قناعت نصیب ہوتی ہے۔ ۳۔ عبادت میں نشاط اور دلبستگی پیدا ہوتی ہے۔ اور جو شخص موت سے غافل رہتا ہے۔ اس پر تین عذاب مسلط کئے جاتے ہیں۔ گناہ سے توبہ میں ۱۔ تاخیر ہوتی ہے۔ ۲۔ آمدنی پر راضی نہیں ہوتا اور عبادت میں سستی پیدا ہوتی ہے۔ ایک حدیث شریف میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ یہ گناہوں کو زائل کرتی ہے۔ اور دنیا سے بے رغبتی پیدا کرتی ہے۔ (احیاء علوم جلد رابع) دوسری جگہ ارشاد فرمایا جو شخص موت کو کثرت سے یاد کرے اس کا دل زندہ ہوجاتا ہے۔ اور موت اس پر آسان ہوجاتی ہے۔

قساوت قلبی کا علاج

ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اپنے دل کی قساوت کی شکائت کی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ موت کا تذکرہ کثرت سے کیا کرو دل نرم ہوجائیگا انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور ان کا دل نرم ہوگیا

حضرت عمر بن عبدالعزیز کا معمول تھا۔ کہ روزانہ رات کو علماء کا مجمع بلاتے۔ جو موت اور آخرت کا ذکر کرتے اور خود ایسا روتے جیسا کہ جنازہ سامنے رکھا ہو۔ حضرت کعب کا ارشاد ہے کہ جو شخص موت کو پہچان لے اس پر دنیا کی ساری مصیبتیں آسان ہوجاتی ہیں۔

مقام شہادت کی تدبیر

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کوئی شخص بغیر شہادت کے بھی شہیدوں کے ساتھ ہوسکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دن رات میں بیس مرتبہ موت کو یاد کرے۔ وہ ہوسکتا ہے۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ جو کوئی پچیس ۲۵ مرتبہ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لِیْ فِی الْمَوْتِ

وَ فِیْ مَا بَعْدِ الْمَوْتِ پڑھے وہ شہیدوں کا سا درجہ حاصل کر سکتا ہے۔

مراقبہ موت

امام غزالی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ کہ موت کا معاملہ نہایت ہی خطرناک ہے۔ اور لوگ اس سے بہت غافل ہیں۔ اول تو مشاغل کی وجہ سے اس کا ذکر ہی نہیں کرتے۔ اور اگر کرتے بھی ہیں تب بھی چونکہ دل دوسری طرف مشغول ہوتا ہے۔ اس لئے محض زبانی تذکرہ مفید نہیں ہے۔ بلکہ ضرورت اس کی ہے۔ کہ دل کو سب کی طرف سے فارغ کرکے اس طرح سوچے گویا وہ سامنے ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ اپنے عزیز و اقارب اور جاننے والوں کا حال سوچے کہ کیونکر ان کو لے جا کر چارپائی پر مٹی کے نیچے دفن کر دیا۔ ان کی صورتوں کا ان کے اعلیٰ منصبوں کا خیال کرے اور یہ غور کرے۔ کہ اب مٹی نے کس طرح ان کی اچھی صورتوں کو بدل دیا ہوگا۔ ان کے بدن کے ٹکڑے الگ الگ ہوگئے ہوں گے۔ کس طرح بچوں کو یتیم اور بیوی کو بیوہ اور عزیز و اقارب کو روتا چھوڑ کر چل دیئے ان کے سامان ان کے مال اور ان کے کپڑے پڑے رہ گئے۔ یہی حشر ایک دن میرا بھی ہوگا۔ کس طرح مجلسوں میں بیٹھ کر وہ قہقہے لگاتے تھے۔ آج خاموش ہیں۔ کس طرح وہ دنیا کی لذتوں میں مشغول تھے۔ آج مٹی میں مل چکے ہیں۔ کیسا موت کو بھلا رکھا تھا۔ آج اس کے شکار ہوگئے۔ کس طرح جوانی کے نشہ میں تھے۔ آج کوئی پوچھنے والا بھی نہیں کیسے دنیا کے دھندوں میں ہر وقت مشغول رہتے تھے۔ آج ہاتھ الگ پڑا ہے۔ پاؤں الگ ہے زبان کو کیڑے چمٹ رہے ہیں۔ بدن میں بھی کیڑے پڑ گئے ہونگے (احیاء العلوم)

شدۃ موت

امام غزالی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔ اگر آدمی مسکین پر کوئی آفت مصیبت نہ آئے پھر بھی اس کی لذتوں کو مکدر کرنے کے لئے موت کی شدۃ اور نزع کی تکلیف کافی ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔ کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت عابدین نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ کوئی مردہ ظاہر ہو اور موت کا مسئلہ ہم اس سے پوچھیں اللہ تعالیٰ نے ایک مردہ کو زندہ کیا اس نے کہا کہ مجھے پچاس سال مرے ہوئے ہوگئے ہیں لیکن موت کا اثر اب تک میرے بدن سے نہیں گیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ موت کی تکلیف تلوار کے ہزار زخم سے زیادہ ہے۔ اوزاعی فرماتے ہیں۔ کہ ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ مردوں کو قیامت میں اٹھنے تک موت کی تکلیف کا اثر ہوتا ہے۔ حضرت شداد ابن اوس کہتے ہیں۔ کہ موت دنیا اور آخرۃ کی سب تکلیفوں سے زیادہ سخت ہے۔ آرہ کے چلانے اور قینچیوں کے کترنے اور دیگ میں پکانے سے زیادہ سخت ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ موت کی سختی ایسی ہے جیسا کہ زندہ چڑیا کو آگ پر بھونا جا رہا ہو نہ اس کی جان نکلتی ہو اور نہ ہی اڑنے کی کوئی صورت ہو یا کہ زندہ بکری کی کھال اتاری جائے۔

حضرت عمرؓ نے حضرت کعب سے دریافت کیا کہ موت کی کیفیت بیان کرو۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے امیرالمومنین کہ جس طرح ایک کانٹے دار ٹہنی کو بدن کے اندر داخل کیا جائے اور ہر چیز اس کے ساتھ لپٹ جائے پھر اس کو ایک دم کھینچا جائے اس طرح جان نکلتی ہے (اللھم احفظنا من سکرات الموت)

یہ سختی کفار اور منافقین اور فاسقین کے ساتھ ہوگی۔ لیکن مومن صالحین کے لئے تو موت کو تحفہ فرمایا۔ اور پانچ سو فرشتے ملک الموت لے کر مومن کے پاس آتے ہیں۔ اور اسے بشارتیں دی جاتی ہیں اور جنت کی خوشبوئیں اور کفن لاتے ہیں۔ اور جنت اس کے سامنے کر دی جاتی ہے۔ اور ملک الموت اس طرح نرمی کرتا ہے۔ جیسا کہ بچے کے ساتھ ماں نرمی کرتی ہے اور جس طرح آٹے سے بال نکالا جاتا ہے۔ اس طرح مومن کی روح نکلتی ہے۔ اور آسمانوں پر ستر ہزار فرشتے استقبال کرتے ہیں

عبداللہ بن مبارک کا جب انتقال ہوا تو ہنسے اور فرمایا۔ لِمثل ھذا فلیعمل العاملون ایسی چیزوں کے واسطے لوگوں کو کام کرنا چاہئے۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ کچھ فرحت والے مناظر دیکھے ہونگے

حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ کا جب انتقال ہوا۔ تو بیوی نے کہا واحزناہ ہائے افسوس تم جا رہے ہو۔ فرمایا واطرباہ غداً تلقی الاحبۃ و محمد و حزبہ کیسے مزے کی بات ہے کل دوستوں کو ملیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملیں گے ان کے ساتھیوں کو ملیں گے جن حضرات نے موت کی تیاری کی ہے۔ یہ باتیں وہی کہہ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو موت کی تیاری کی توفیق نصیب فرمائے۔ وما علینا الا البلاغ

سورۂ بقر کی ابتدائی آیات کا منظوم ترجمہ (فارسی)

میاں غلام حسین پشاوری

الٓمّٓ • الف لام میم از رموزِ خدا است
که دانندۂ ہر عیان و خفا ست

ذالک الکتاب لا ریب فی • کتاب اینک آمد فرو از اِلٰہ
نباشد دریں مطلقاً اشتباہ

ھدی للمتقین • بہ پرہیزگاراں ہدایت ازیں
ہدایت بہ ترسندگاں بالیقیں

الذین یومنون بالغیب • کسانے کہ ایماں بہ غیب آورند
خدا را نہ دیدند و مے باورند

ویقیمون الصلوٰۃ • و نیز آنکہ آرند روئے نیاز
بطاعت گرفتند محکم نماز

ومما رزقنھم ینفقون • ز رزقے کز و کردہ ام بہرمند
بغرضِ رضا صرفِ نفقہ کنند

والذین یومنون بما انزل الیک • و آنہا کہ ایمان آرند برو
کتابے کہ نازل نمودم بتو

وما انزل من قبلک • بہ چیزے کہ پیش از تو ہم دادہ ام
چو در ما سبق من فرستادہ ام

وبالاخرۃ ھم یوقنون • یقینے کہ دارند بر آخرت
نہ پیچند رو در سرِ معذرت

اولٰئک علی ھدًی من ربھم • ہم آنند راہ رو براہِ خدا
و سرمایہ دارانِ صدق و صفا

واولٰئک ھم المفلحون • ہم آں رُستگارند و ہم کامراں
بہ نیکی ہم آنند پیوستگاں

تاریخ وصال

حضرت مولانا مولوی احمد علی مرحوم و مغفور

نہ کیوں دل پہ ہو حملہ لشکرِ رنج و مصیبت کا
ہُوا مضمر نظر سے مہرِ انور آدمیّت کا
بہارِ جانفزا تو ہو گئی رخصت، خزاں آتی
مسرّت چل بسی، اب ساعتِ غم ناگہاں آتی
مفسّر، شیخ کامل، رہنما دینِ محمدؐ کا
وہ عامل، سنّت و ارشاد و تلقینِ محمدؐ کا
ہُوا رخصت جہاں سے پیشوا پرہیزگاروں کا
عطا کر ان کو یارب لطف جنّت کی بہاروں کا
دکھاتی راہ زمانے کو مقامِ حق پرستی کی
ہمیشہ انجمن خدّامِ دیں کی سرپرستی کی
گزاری عمر ساری خدمتِ قرآن کے اندر
نہ کیوں فضلِ خدا سے ہوں وہ اب آرام کے اندر
ریاضِ دینِ احمدؐ پر فضا تھا آپ کے دم سے
نمایاں وصل کی تاریخ ہے ’’خورشید اکرم‘‘ سے
۱۳۸۱ھ

احمد بخش ریاض
اسلامیہ ہائی سکول چک ۲۹ جنوبی۔ ضلع سرگودھا

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۴۷

The Weekly "KHUDDAMUDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

ایڈیٹر عبید اللہ انور

منظور شدہ محکمہ تعلیم (۱) لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۷/۱۶۳۲۱ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C ۲۷۳۰-۲۴۸۱ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء

ایجنٹ حضرات کی فوری توجہ کے لئے

ایجنٹ حضرات پر بخوبی واضح ہے کہ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ نے ہفتہ وار خدام الدین محض قال اللہ وقال الرسول کی آواز عام کرنے کی غرض سے شائع کرانا شروع کیا تھا کوئی تجارتی غرض یا دنیوی طمع اس سے مقصود نہ تھا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس امر کی پوری رعایت رکھی تھی کہ خواص وعوام یکساں طور پر اس سے استفادہ کر سکیں۔ چنانچہ اس کی قیمت چار آنے تجویز فرمائی تھی۔ بحمد اللہ حضرت اقدسؒ کے خلوص نیت اور جذبۂ للہیت کے باعث اس وقت پرچہ کی اشاعت پندرہ ہزار سے زائد ہے جو دونوں ملکوں پاکستان اور بھارت میں کسی بھی ہفت روزہ سے کہیں زیادہ ہے۔ لیکن چونکہ کتاب وسنت کے خلاف اشتہار شائع کرنا ہماری پالیسی کے خلاف ہے صرف پرچہ کی فروخت سے کتابت، طباعت، سٹاف کی تنخواہ وغیرہ کا انتظام بمشکل ہوتا ہے۔ اسی حقیقت کے پیش نظر حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ عمل سب کے لئے سامان عبرت ہونا چاہئے کہ آخری دم تک اپنے پرچہ کی رقم چار آنے بھی اپنی گرہ سے ادا کرتے رہے۔

صد افسوس ہے کہ بعض ایجنٹ حضرات اس مثال کے ہوتے ہوئے بھی غفلت کوشی سے کام لے رہے ہیں۔ ان کا یہ طرزِ عمل ہمارے لئے کئی مصیبتوں کا پیش خیمہ ہے اور پرچہ انتہائی مشکلات سے دوچار ہے۔

اگر ان کے اس مجرمانہ تغافل کے باعث پرچہ کو نقصان پہنچا تو وہ عنداللہ بھی جوابدہ ہونگے کہ انہوں نے دین کے کام میں روڑا اٹکایا اور تادیبی کارروائی سے بھی ادارہ کسی صورت میں گریز نہیں کرے گا۔ اس طرح وہ خسر الدنیا والآخرۃ کے مصداق ہوں گے۔

آخری نوٹس چنانچہ کئی مرتبہ توجہ دلانے کے باوجود ہم ایک بار ۱۰ رجون تک آپکے بلوں کی ادائیگی کا مزید انتظار کرینگے اس کے بعد پرچوں کی ترسیل بند کرنے کے علاوہ عدالتی چارہ جوئی کی جائے گی۔ اور ہم ایسا کرنے میں حق بجانب ہوں گے۔ اس مہلت سے فائدہ اٹھائیں اور ادارہ کو پریشانیوں سے نجات دلائیں۔

(مینجر)